یو جی سی کیر لسٹیڈ

بین الاقوامی پیر ریویو، ریفریڈ جنرل

سہ ماہی

تاریخ ادب اردو

دہلی

اردو ادب کا نقیب و ترجمان

جلد ۳ شمارہ ۳

جولائی تا ستمبر 2021

ڈاکٹر محمد یحیٰ صبا

سہ ماہی دہلی

تاریخ ادب اردو

اردو ادب کا نقیب و ترجمان

جلد:۳ (جولائی تا ستمبر۲۰۲۱) شمارہ:۳

سرپرست اعلیٰ: ارتضیٰ کریم

مدیر: ڈاکٹر محمد یحیٰ صبا

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر: ڈاکٹر محمد بہلول مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر واثق الخیر

خط و کتابت/ترسیل وزر کا پتہ

سہ ماہی تاریخ ادب اردو دہلی، ۲۴۹۶، دوسری منزل، پنجابی بستی، سبزی منڈی، گھنٹہ گھر، دہلی۔۱۱۰۰۰۷

2496, 2nd Floor, Punjabi Basti, Sabji Mandi, Ghanta Ghar, Delhi-07

E-mail:editorurdu@gmail.com

website:tareekheadabeurdu.com

Mobile No.:+91-9968244001

اس شمارہ کے مشمولات سے مدیر/وابستگان کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ کسی بھی تحریر/اقتباس کے لیے مضمون نگار خود ذمہ دار ہے۔ ''تاریخِ ادب اردو'' سے متعلق کسی بھی تنازعہ کا حقِ سماعت صرف دہلی کی عدالت میں ہوگا۔

UGC Care listed, International Peer Reviewed Refereed Journal. ISSN:2582-1229

سرپرست:

پروفیسر راکیش کمار پانڈے ☆ پروفیسر رئیس انور رحمٰن ☆ پروفیسر محمد رضی الرحمٰن

ڈاکٹر پرمود کمار بھارتی ☆ پروفیسر کوثر مظہری

مجلس مشاورت

بیرون ملک:

پروفیسر یوسف خشک (پاکستان)، پروفیسر ضیا حسن (پاکستان)، ڈاکٹر محمد سلمان بھٹی (پاکستان)، ڈاکٹر سمیرا بشیر (پاکستان)، پروفیسر ثمینہ گُل (پاکستان)، پروفیسر احمد القاضی (مصر)، پروفیسر حلیل طوقار (ترکی)، پروفیسر اسومان اوذکین (ترکی)، پروفیسر دُرمُش بُلگر (ترکی)، ڈاکٹر ذکائی کارداس (ترکی)، فرزانہ اعظم لطفی (ایران)، ڈاکٹر علی بیات (ایران)، ڈاکٹر محمد کیومُرسی (ایران)

اندرون ملک:

پروفیسر خالد اشرف، ڈاکٹر محمد محسن، ڈاکٹر نوشاد مومن، ڈاکٹر دانش الہ آبادی، ڈاکٹر مجیب احمد خان، پروفیسر آلِ ظفر، ڈاکٹر مشتاق عالم قادری، ڈاکٹر افروز عالم، ڈاکٹر محمد داؤد محسن، ڈاکٹر رحمٰن اختر، ڈاکٹر شاہد رزمی، ڈاکٹر متھن کمار، ڈاکٹر بلرام شکلا، رضوان ندوی، ہاجرہ نور احمد زریاب

قانونی مشیر: ایڈوکیٹ انل کمار سنگھ، ایڈوکیٹ سیما سنگھ

زر تعاون:

فی شمارہ -/50	خصوصی شمارہ -/200
سالانہ -/1000	خصوصی تعاون -/5000

A/C Name:- PEACE INDIA FOUNDATION
A/C No.:- 51521131001918
IFSC:- PUNB515210

مالک، طابع و ناشر ڈاکٹر محمد یحیٰ صبا نے جے کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس، سے چھپوا کر دفتر ''تاریخ ادب اردو'' ۲۴۹۶، دوسری منزل، پنجابی بستی، سبزی منڈی، گھنٹہ گھر، دہلی۔۱۱۰۰۰۷ سے شائع کیا۔

فہرست

اداریہ:		4
☆زبیرالحسن غافل کا سوانحی خاکہ	ایڈیٹر	07
☆ سپاس نامہ	دین رضا اختر	08
☆زبیرالحسن غافل: ایک سنجیدہ ظریف	صفدر امام قادری	09
☆غافل کا اجنبی شہر	ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی	21
☆زبیرالحسن غافل کی شعری کائنات	ڈاکٹر اجے مالوی	25
☆اجنبی شہر: منتشر حالات کا کولاژ	ساحر داؤدنگری	37
☆اجنبی شہر کا بے باک شاعر زبیرالحسن غافل	ڈاکٹر واثق الخیر	42
☆عوامی شاعر۔۔۔زبیرالحسن غافل	سمیع الدین خلیق	51
☆محسوسات کا شاعر: زبیرالحسن غافل	خان محمد رضوان	58
☆زبیرالحسن غافل کی شاعری میں حسن ظرافت	محمد مبشر عالم	67
☆طنزومزاح کا معتبر حوالہ زبیرالحسن غافل	عبدالغنی	72
☆سماجی درد کا شاعر: زبیرالحسن غافل	ڈاکٹر محمد یحیٰ صبا	78
☆زبیرالحسن غافل اور طنزومزاح	ڈاکٹر محمد محسن	85
☆تاثرات		95
☆منتخب اشعار		104

اداریہ

قارئین! سہ ماہی تاریخ ادب اردو کا جولائی تا ستمبر شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس شمارے کو ہم نے زبیرالحسن غافل کے نام کر رکھا ہے۔اس شمارے کے لیے مقالہ نگاروں سے مضامین حاصل کرنے میں تھوڑی تاخیر ہوئی۔ظاہری بات ہے کہ اس میں آج کے حالات کا عمل دخل بھی تھا۔آپ جانتے ہیں کہ تقریباً دو سال سے پوری دنیا کورونا وبا سے جوجھ رہا ہے۔اب بھی مکمل طور پر اس وبا سے نجات نہیں ملی ہے۔اس وبا کی وجہ سے پوری دنیا تھم سی گئی تھی۔ ہر طرف ماتم کا ماحول تھا۔موت دنیا کے سامنے رقص کر رہی تھی۔ دنیا کی چھوٹی بڑی تمام حکومتیں اس نہ دیکھا جانے والا جراثیم کے سامنے بے بس تھا۔کورونا کے دوسرے دور میں لاتعداد افراد آکسیجن کی کمی کی وجہ سے موت کے آغوش میں چلے گئے۔ کائنات کی تمام چیزیں جو ہمیں دکھائی دے رہی ہیں اور جو نہ دکھائی دے رہی ہے وہ سب زندگی کے لیے بہت قیمتی ہیں۔ قدرت نے ہمیں کن کن نعمتوں سے نوازا ہے، ہم اس کی گنتی بھی نہیں کر سکتے۔ بہر حال کورونا نے ہمیں سماجی قدروں سے بھی روشناس کرایا ہے۔ہم ایک دوسرے کے جتنا بھی کام آسکیں ضرور کریں۔سماج اور رشتہ داروں کی جو پریشانیاں ہیں اسے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

کورونا کے دنوں میں دو عیدیں بھی آئیں اور ہم وطن بھائیوں کے کئی تیوہار بھی آئے، ہم سب نے مل کر احتیاط کیا۔روزمرہ کے طور طریقے میں بڑی تبدیلی آگئی، گھروں سے نکلنا کم ہو گیا، ضرورتاً باہر جانا ہوا، لوگوں نے خود احتیاط کیا، سرکار کی طرف سے پابندی تھی ہی لیکن اصل پابندی لوگوں نے خود کیے۔ادھر ادھر کھانا چھوڑ دیا گھر سبزیاں لاتے تو پہلے اسے صاف کیا جاتا پھر رکھا جاتا، کورونا نے ہمیں بہت سی چیزیں سکھا بھی دی۔جن کاموں سے ہم لاپرواتھے، وہاں احتیاط برتنے کے لیے سکھایا۔باہر نکلنے پر ماسک کو ضروری مانا۔اسی طرح کسی سے ہاتھ ملانے یا کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ کا دھلنا سکھایا۔ان سب کے درمیان اسکولی بچوں کا بہت نقصان ہوا۔اسکول بند ہو گئے۔تعلیم کا سلسلہ تھم گیا، امتحان رد ہو گئے، بچوں کا وقت برباد ہوا۔لیکن جیسے ہی آن لائن نظام کو اسکولوں نے شروع کیا تو دوسری مصیبتیں سامنے آگئیں۔ بچے موبائل کے عادی ہو گئے، کلاس کے بہانے موبائل پر گیمس کھیلنے لگے۔لیکن مطالعے کے شوقین لوگوں کے لیے کورونا کے وقت سنہرا موقع ہاتھ آیا۔ بازار اور سڑکیں بند

ہونے کی وجہ سے گھر پر مطالعے کے لیے بہت وقت میسر ہو گیا۔

کورونا کے دوران دنیا چھوڑ کر جانے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ تقریباً ہر گھر میں ماتم کا ماحول تھا۔ موت کے آغوش میں جانے والوں میں اردو کے بڑے بڑے ادیب بھی تھے۔ جن میں راحت اندوری، شمیم حنفی، افتخار امام، سید فضل امام رضوی، شاہد علی، ابوالکلام قاسمی، ترنم ریاض، مناظر عاشق ہرگانوی، مشرف عالم ذوقی، تبسم فاطمہ، مولا بخش، انجم عثمانی، شوکت حیات، ریاض عظیم آبادی، عنبر بہرائچی، شمشاد جلیل، نصیر احمد خاں وغیرہ ہیں جو ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ ان سب کے جانے سے اردو ادب کو بہت نقصان ہوا۔ ان کے ذریعہ لکھی جانے والی نئی تخلیق اب سامنے نہیں آئیں گی۔ لیکن ان سب نے اردو ادب کے لیے جو لکیریں کھینچی تھیں وہ ہمیشہ رہیں گی۔ انہیں لکیروں کو نئی نسل آگے لے جائیں گے۔ کہتے ہیں نا کہ ادب کبھی نہیں مرتا ہے۔ ادب ہمیشہ زندہ رہتا ہے، ہر دور میں نئے نئے افکار و خیالات کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ اردو زبان کی ہزار سال کی تاریخ ہے نہ جانے کتنے لوگوں نے اس کو سینچا ہے۔ ہر دور میں رونما ہونے والے واقعات ادب کا حصہ رہے ہیں۔ ہندوستان ہی میں اردو ادب کا مطالعہ کریں تو آزادی سے پہلے معاشرے کی اصلاح کا پہلو غالب تھا پھر آزادی کی جنگ کے وقت آزادی کی حمایت میں ادب تحریر کیے جانے لگے، آزادی کے بعد استحصالی نظام کے خلاف لکھا جانے لگا، پھر جدید ٹکنالوجی کے دور میں نئے نئے مسائل آئے تو اس کے تدارک کے لیے ادب تخلیق کیا جانے لگا۔ اسی طرح کورونا وبا کو بھی نئی نسل کے تخلیق کار اپنے موضوعات میں شامل کریں گے۔

اردو ادب کو آبیاری کرنے میں ملک کے گوشے گوشے میں کام کیے جا رہے ہیں۔ کوئی پیشہ وارانہ طور پر اردو سے منسلک ہیں تو کوئی اردو کو شوقیہ اپنی زندگی کا حصہ بنائے ہوئے ہیں۔ انہیں متوالوں سے اردو زبان زندہ ہے اور ادب بھی پروان چڑھ رہا ہے۔ حاشیے میں رہنے والوں نے بھی اردو زبان کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ گزشتہ کئی شماروں میں ہم نے حاشیے کے تخلیق کاروں پر مضامین شائع کیے ہیں جسے بہت پزیرائی ملی۔

قارئین کی اسی حوصلہ افزائی نے ہمیں حاشیائی ادیب کے ایک اہم قلم کار زبیر الحسن غافل کی شخصیت اور فن کے بارے میں خاص نمبر ترتیب دینے کا حوصلہ دیا۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ حاشیے میں رہنے والے ادیب گمنامی میں رہ کر ان کا ادب بھی گمنامی میں گم ہو جاتا ہے۔ جب کہ ادب کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو گاؤں اور چھوٹے شہروں میں رہنے والے ادیبوں کی تحریروں میں بھی وہ شہ پارے مل جاتے ہیں کہ بڑے بڑے اسکولوں کے ادیب کے یہاں نہیں ملتے ہیں۔ پریم چند ہوں یا پھنشور ناتھ رینوان کا ادب اس لیے ادب پارے کی دہلیز کو چھو سکا کیوں کہ ان کی تحریر میں سچائی تھی، معصومیت تھا، اچھی منظر کشی تھی، کردار کا عمدہ انتخاب تھا، سب سے بڑی بات کہ مکالمے کردار کی مناسبت تھے۔ گاؤں کو ان لوگوں نے قریب سے دیکھا تھا۔ سماج میں استحصال کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں لوگوں کی اتباع کرتے ہوئے دور دراز میں بسنے والے ادب کے شائقین نے لکھنا شروع کیا۔ اور اپنے سماج کی بھرپور نمائندگی کی۔ زبیر الحسن غافل بھی انہیں میں سے ایک تھے۔ زبیر الحسن غافل پیشہ ورانہ طور پر منصف

کے عہدے پر فائز تھے۔شعروشاعری کرنا ان کا شوق تھا۔انہوں نے سماجی مسائل اور سماج درد کو اپنی شاعری کا محور بنایا۔اپنی شاعری میں انہوں نے شوخی کو شامل کیا تا کہ شاعری بوجھ نہ بن جائے۔وہ چاہتے تھے کہ سماج کی اصلاح بھی ہو اور شعر کو سننے اور پڑھنے میں لوگوں کو گراں بھی نہ گزرے۔شعر کے سننے اور پڑھنے کے بعد لوگوں کے دلوں میں تازگی کا احساس ہو اور خوشی سے دل باغ باغ ہو جائے۔اور انسان کچھ دنوں گھنٹوں تک انہیں یادوں میں گزار دے۔

اس شمارے میں کئی مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ہم چاہتے تھے کہ رسالے میں مزید مضامین شامل کیے جائیں لیکن حالات حاضرہ کی وجہ سے وقت پر مضامین کی فراہمی نہ ہو سکی۔وقت پر رسالے کی اشاعت مدیر کی مجبوری بھی ہے۔بہر حال ہمیں افسوس ہے کہ ہم زبیر الحسن غافل کی شاعری کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر پائے ہیں۔زبیر الحسن غافل پر تاخیر سے موصول ہونے والے مضامین کو ہم آئندہ شمارے میں شامل کریں گے۔

قارئین! ہم آئندہ بھی ادبی شخصیات کے نمبر اور گوشے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔خاص طور سے کورونا وبا کے دوران ہم سے جدا ہونے والے ادیبوں پر۔آپ اپنی غیر مطبوعہ نگارشات ہمیں ارسال کریں ہم اسے سہ ماہی تاریخ ادب اردو کے آئندہ شمارے میں شامل کریں گے۔آپ اپنے قیمتی آرا سے ہمیں ضرور مطلع کریں۔اللہ کرے ہمیں آپ سب کا تعاون حاصل رہے۔

مدیر

زبیرالحسن غافل کا سوانحی خاکہ

نام: زبیرالحسن

تخلص: غافل

آبائی وطن وجائے پیدائش: کمل داہا (ارریہ)

تاریخ پیدائش: 7 جنوری 1944

تاریخ وفات: 26 جنوری 2021

والد: ظہورالحسن مرحوم

والدہ: بی بی زبیدہ خاتون مرحومہ

شریک حیات: شہناز حسن

اولاد: ☆ارشد حسن۔ایم اے۔ایل ایل بی ☆اسلم حسن۔اسسٹنٹ کمشنر۔IRS

☆اشرف حسن۔ڈیزائن انجینئر، آٹوموبائیل ☆احمر حسن ☆آفرین نشاط

داماد: ڈاکٹر محمد عثمان غنی۔پروفیسر، شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تعلیم: بی ایس سی۔پورنیہ کالج، پورنیہ۔1966 ☆ایل ایل بی: پٹنہ یونیورسٹی۔1968

پیشہ: وکالت۔ارریہ سول کورٹ 1969

منصف: 1975 سے 2004 میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے عہدہ سے سبکدوشی۔

پہلی مطبوعہ نظم: 'اجنبی شہر' ماہنامہ پاسبان 1975

بہار اردو اکیڈمی کا رسالہ زبان وادب کے 1993 کا ایک خصوصی شمارہ ان کی شاعری پر پیش کیا۔

تصنیف: شعری مجموعہ ''اجنبی شہر''، سن اشاعت: 2006

سپاس نامہ

☆دین رضا اختر

شاعر رنگین نوا اے منصف عادل اسلام تجھکو ہم سب کی طرف سے آج ہے غافل سلام
ناز ہے بیشک ارریا کو تمہاری ذات پر نسل نو بھی فخر کرتی ہے تیری ساغات پر
تیرا یہ دیواں ہے غافل شاعری کا شاہکار قشہائے رنگ رنگ اس کا ہے مثل نو بہار
تیرا اسلوب نگارش یہ ظریفانہ کلام وارث اکبر میں لکھا جائے گا تیرا ہی نام
واہ رے غزلوں میں انداز تغزل کا کمال دھڑکنیں بڑھ جائے دل کی دیکھ کر رنگ جمال
ماہ پارے کی طرح نظموں کا عنواں خوب ہے دل کا دَروَا جس سے ہو وہ دلنشیں اسلوب ہے
شاعری تیری کہوں یا ساحری کا فن کہوں جذبہ دل یا کہ ہر دل کی اسے دھڑکن کہوں
عدل کے منصب پہ رہ کر عدل کے میزان کو رکھا متوازن بلاشک عدل کے پہچان کو
رکھتا ہے اپنے عزیزوں پر تو شفقت کی نظر ہر کس و ناکس پہ تیری سادگی کا ہے اثر
رہنمائی تیری نسل نو کر راس آئے سدا تم جیو جُگ جُگ یہاں ہم سب کی ہے یہ ہی دعا

تیری ہستی ہو درخشاں مہر تاباں کی طرح
باس ہو ہر دل میں تیرا دل کے ارماں کی طرح

زبیرالحسن غافل: ایک سنجیدہ ظریف

صفدرامام قادری
صدر،شعبہ اردو، کالج آف کامرس آرٹس اینڈ سائنس
پاٹلی پترایونیورسٹی، پٹنہ

زبیرالحسن غافل کل وقتی شاعر نہیں تھے۔ ہماری زبان میں ہمہ وقت شعر وادب کے کاموں میں ڈوبے ہوئے افراد ہر جگہ نظر آتے ہیں۔فنافی الشعر یا فنافی العلم جیسی اصطلاحیں ہماری زبان میں بڑے احترام سے استعمال کی جاتی ہیں۔ حالاں کہ ایسے شعرا وادبا میں بڑی تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو سودوسو غزلیں کہہ پائے یا بیس پچیس مضامین یا افسانے رقم کر سکے مگر چالیس پچاس برس اپنی حرکات سے ہمیں یہ باور کراتے رہے کہ وہ سوتے جاگتے اور جیتے مرتے ادب کی ہی خدمت کرت رہے۔ زبیرالحسن غافل نے جب اپنا شعری مجموعہ پیش کیا تب بھی ایسا کوئی دعوا پیش نہیں کیا۔ جو شخص اپنا تخلص غافل رکھے،اس کے بارے میں یہ کہا ہی جا سکتا ہے کہ دادخواہی اور احساس برتری کے تاج سنبھالنے کے مقاصد سے سوچ سمجھ کر کوئی تخلص انہوں نے نہیں رکھا۔ وہ عاقل ہو سکتے تھے مگر وہ خود کو غافل کے طور پر کوچۂ شعر میں ہمارے سامنے لے آئے۔

اردو کی روایت میں شعر میں وہ دونوں پہلوؤں سے اجتہاد کرتے ہیں۔کل وقتی شاعر یا مکمل شاعر ہونے کا انہوں نے شاید ہی کبھی خواب دیکھا ہو۔ وہ سنجیدہ اور مزاحیہ دونوں انداز میں شعر کہتے تھے۔اس لیے بہت سوچ سمجھ کر ایک ایسا تخلص اختیار کیا جس سے دونوں دنیاؤں کی سیر

سبک روی کے ساتھ ممکن ہو سکے۔ انھیں اپنے خاندان کے بزرگوں سے روایت کے طور پر اردو اور فارسی کا ماحول ملا۔ ملازمت کے دوران مختلف شہروں کی خاک چھانتے ہوئے وہ عظیم آباد پہنچے، اس وقت اس بات کی گنجائش پیدا ہوئی کہ وہ اپنی ادبی زندگی کو ایک شکل دے سکیں۔ رضا نقوی واہی سے لے کر مشتاق احمد نوری تک ان کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی کرنے والے لوگ بھی انہیں ملتے گئے۔ اولاد میں بھی یہ شعور پیدا ہوا کہ ان کا منتخب کلام کتابی شکل میں سامنے آئے۔ ایک اوسط ضخامت کا مجموعہ اس طرح سامنے آیا جسے نہ اردو زبان کے لیے کوئی انقلاب آفریں کارنامہ کہہ سکتے ہیں اور نہ اس مجموعے سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ زبیرالحسن غافل بھی اپنی شاعرانہ شخصیت کا اتنا اونچا مول نہیں رکھتے ہیں۔

مگر ادب کی تاریخ کے مطالعے سے قدم قدم پر جز وقتی لکھنے والے نظر آتے ہیں۔ کسی نے پانچ برس شعر کہے، دس برس فوج میں ملازمت کر لی، ایک عشرہ کسی دوسرے کام میں گزار کر پھر نہ جانے کس عالم میں کسی دوسرے شعبہ علم کی طرف مڑ گیا۔ ہزاروں ایسے مصنفین وہاں ملتے ہیں جنھوں نے ایک ہی ناول لکھا یا ایک مختصر سا شعری مجموعہ ان سے یادگار رہے۔ پھر وہ کوچۂ ادب کی طرف نہیں آئے مگر دنیا کی ادبی تاریخ انہیں احترام کے ساتھ یاد رکھتی ہے۔ زبیرالحسن غافل کو پڑھتے ہوئے ہمیں اپنی زبان میں یہ پیمانہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ انھوں نے خود کو ماں کے پیٹ سے لے کر قبر تک کا ادبی خدمت گار نہیں مانا۔

یہاں سوال ضرور توجہ طلب ہے کہ ان کو کس انداز کا فن کار تسلیم کیا جائے؟ ابھی چند دہائیاں پہلے ہمارے معاشرے میں ایسے لوگ مل جاتے تھے جو ادیب یا شاعر تو نہیں ہوتے تھے مگر انہیں موقع و محل کے مطابق اشعار یاد ہوتے تھے۔ گفتگو میں اردو اور فارسی کے ضرب الامثال اور روزمرہ چھلکتے دکھائی دیتے تھے۔ داستانوں سے لے کر دیوان غالب، مسدس حالی اور آب حیات جیسی کتابیں ان کے مطالعے سے گزر چکی ہوتی تھیں۔ شاعروں، ادیبوں کے قصے اور کہانیاں وہ دل چسپی سے سنتے اور سناتے تھے۔ وہ مدرسے کے عالم ہوں یا طب پیشہ افراد، صحافت پیشہ ہوں یا کلرک مگر اردو کی ایک مجلسی دنیا سے نکلے یہ افراد ہوتے تھے۔ سعدی، حافظ اور مولانا روم سے لے کر علامہ اقبال تک کا سرمایہ سخن ان کے سینے میں محفوظ تھا۔ ہر گھر میں اردو اور فارسی کی چھوٹی بڑی

لائبریری ہوتی تھی۔ ایک گھر سے دوسرے گھر تک پڑھنے کے لیے کتابیں لینے دینے کا رواج تھا۔ اس سے اپنے آپ گھر اور بازار، مسجد اور محل ہر جگہ صاف ستھرا ادبی ذوق دیکھنے کو ملتا تھا۔ ہر آدمی کی گھریلو تربیت اسی خوشگوار ماحول میں ہوتی تھی۔

زبیرالحسن غافل اسی ماحول کے زائیدہ ہیں۔ یہ ماحول آزادی سے پہلے تو ہر گاؤں اور بستی میں موجود تھا جسے تقسیم ملک کے بعد کچھ سیاسی جبر، کچھ اپنی کوتاہیوں کے سبب ہم نے کھویا۔ زبیرالحسن غافل کا خانوادہ سماجی اور معاشی ترقی سے دور تھا اور وہ بہار کے ایک ایسے خطے سے آتے تھے جسے کم ترقی یافتہ کہا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے بزرگوں کی بنائی ہوئی اور کمائی ہوئی تہذیبی دولت کو سنبھال پانے میں کامیاب ہوئے، ورنہ ان کا پیشہ اور تعلیمی دائرہ کار ہرگز اس بات کے مواقع نہیں دے سکتے تھے کہ وہ اپنی مادری زبان اور شعروادب کی خدمت کرسکیں۔ قانون کا پڑھنا اور قانون کی رو سے فیصلے کرنا ان کے لیے اتنے برے کام تھے کہ وہ سچے ذوق کے پروردہ نہیں ہوتے تو اردو کہیں ان کے قریب بھی نظر نہیں آسکتی تھی۔

ان کے مجموعے کلام میں سب سے واضح حصہ ظرافت کا ہے۔ وہ خود بھی اپنی اولین پہچان ظریفانہ شاعر کی حیثیت سے ہی پیش کرتے ہیں۔ حالاں کہ ان کے مجموعے کلام میں سنجیدہ شاعری، خاص طور سے طرحی غزلیں معقول تعداد میں موجود ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے ادبی امکانات کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ ہماری ادبی تاریخ شاہد ہے کہ جس شاعر نے سنجیدہ شاعری کے ساتھ ساتھ ظریفانہ شعر بھی کہنے شروع کر دیے تو اس کی عین حقیقی پہچان پر ظرافت کا رنگ غالب آگیا۔ اکبر اور سودا کی مثالیں تو موجود ہیں جن کے ظریفانہ کلام نے ان کے ادبی کاموں کے دوسرے پہلوؤں سے ہمیں ذرا دور کردیا۔ آج کی گفتگو میں ہماری کوشش ہوگی کہ زبیرالحسن غافل کے شاعرانہ اوساف کے تمام پہلوؤں پر اشارے کیے جائیں اور ان کے ادبی مرتبے کے تعین کے لیے ان کے سرمایۂ سخن کے بنیادی مزاج کو سمجھنے میں کامیابی حاصل کی جائے۔

زبیرالحسن غافل کا شعری مزاج کلاسیکی ادبی ماحول کا پروردہ ہے۔ یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اردو کی کلاسیکی شاعری سے وہ اچھے خاصے واقف ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی روشن ہے کہ وہ صنف نظم کے فنی تقاضوں کو بہ حسن خوبی سمجھتے ہیں۔ ان کی ظریفانہ شاعری میں ان کی یہ صفات

کھل کر سامنے آتی ہیں۔ مسدس، مثنوی اور غزل تینوں ہیئت میں ان کا ظریفانہ کلام ہمیں ایک بار پھر اس کے لیے یقین بہم پہنچاتا ہے کہ وہ کلاسیکی شاعری کے اچھے خاصے تربیت یافتہ ہیں۔ اس میں ادب اور سیاست کے موضوعات بھرے پڑے ہیں۔ ظریفانہ شاعری ایک پہلو سے مشکل اس لیے ہے کہ شاعر چلتے پھرتے کچھ ایسے نشانات مقرر کر لیتا ہے جس سے محفوظ رہ پانا مشکل ہے۔ خاص طور سے اس آدمی کے لیے جو ایک نظام کا حصہ ہے۔ وہ ظریفانہ نظم آخر کہے تو کیسے کہے۔ غزل کے شاعر کے لیے گنجائشیں ہوتی ہیں۔ وہ مشاہدۂ حق میں بادہ وساغر کو شامل کر کے اپنی بات بلخصوص ناگفتنی کو بھی دنیا کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

زبیر الحسن غافل نے اپنے آس پاس کے موضوعات پر اعتبار کیا اور انہیں اپنے ادب کا حصہ بنایا۔ ان کے مجموعۂ کلام کے ظریفانہ حصے کی دوسری ہی نظم کا عنوان ''رشوت'' ہے۔ مسدس کی ہیئت میں یہ نظم لکھی گئی ہے۔ شاعر کو معلوم ہے کہ یہ ہیئت اردو میں طول نگاری کے لیے بہت موزوں ہے۔ نظیر اکبر آبادی، علامہ اقبال، چکبست اور تمام مرثیہ گویوں نے مسدس کی ہیئت میں طول طویل تخلیقات پیش کی ہیں۔ شاعر اس سلسلے سے اپنی معروضات پیش کرتا ہے۔ ایک کے بعد ایک مثالیں آتی جاتی ہیں اور سلسلہ کلام بڑھتا رہتا ہے۔ زبیر الحسن غافل بھلے غافل تخلص کریں مگر اس صنف کے روایتی تحفظات سے وہ واقف ہیں۔ ''رشوت'' نظم میں اس بات کے امکانات کم نہیں تھے کہ وہ ایک کے بعد دوسری مثالیں پیش کرتے جائیں اور مخاطبت طول تر ہا جائے۔ نظم ''رشوت'' کا آخری شعر اور اس کا آخری مصرع بہ غور ملاحظہ کرنا چاہیے۔

انکار سجدہ کردے، کسی میں یہ دم نہیں
دنیا میں یہ خدا سے کسی طرح کم نہیں

آخری مصرع پڑھتے ہوئے نظیر اکبر آبادی کی نظم ''خوشامد'' کا وہ لازوال مصرع یاد آتا ہے:

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

زبیر الحسن غافل نے بیان میں مبالغہ سے اپنی ظرافت کو نہ صرف یہ کہ اعتبار بخشا ہے بلکہ یہاں طنز سے اس کلام کا وقار بھی بلند ہوتا ہے۔

زبیر الحسن غافل نے اپنی ظریفانہ شاعری کے موضوعات اپنے آس پاس سے منتخب کیے

جس کے سبب بار بار بہار کا سماج اور بہار کی سیاست کے جلوے سامنے آتے ہیں۔ بہار کے مشہور چارہ گھوٹالے پر غافل صاحب کی نظم ''چارہ گر'' سامنے آئی۔ زبیرالحسن غافل کو یہ معلوم تھا کہ اگر عنوان کی مزید تشریح نہ کی جائے تو پڑھنے والے کچھ دوسرے معنی بھی اخذ کر سکتے ہیں۔ اس لیے قوسین میں انہوں نے ''بہار میں چارہ گھوٹالے سے متعلق'' کا اضافہ کیا۔ نظم مثنوی کی ہیئت میں ہے اور ترتیب وار باتیں کہنے کی کوشش کی گئی ہے۔ واقعات حقائق کے بطن سے ظاہر ہوئے ہیں۔ شاعر نظم ختم کرنے سے پہلے اپنی تشویشات سے ہمیں باخبر کر دیتا ہے۔ ان کا مصرع ملاحظہ کیجیے:

جانور کے چارہ سے انسان جب پلنے لگا

یہ صرف حقیقت کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہاں عالم انسانیت کے پیش نظر ایک نفسیاتی سوال قائم کر دیا گیا ہے۔ اس کے کئی جوابات ہو سکتے ہیں۔ اتنا تو سچ ہے کہ انسان کے جانور بننے یا انسان کے اندر جانور کی صفات ہونے یا درندگی پر زبیرالحسن غافل سوالات قائم کر رہے ہیں۔ نظم ختم ہوتے ہوتے شاعر چارہ گھوٹالے سے ہمیں آگے لے جاتا ہے۔ کسی فن کار کے لیے یہ بڑی کامیابی ہے کہ وہ اپنے موضوعات کے آس پاس تو رہے مگر وہ اس سے ماسوا بھی دیکھے اور دکھائے۔ زبیرالحسن غافل نے ''چارہ گر'' نظم میں اپنی شاعری کے یہ امکانات تلاش کر لیے ہیں۔

''بہار کی موجودہ حالت'' نظم میں بات سڑکوں کی حالت سے شروع ہوئی ہے۔ دوسرے ہی مصرعے میں ظرافت اپنے عروج پر ہے۔ مصرع پیش ہوتا ہے:

بیل گاڑی کا مزہ آنے لگا ہے کار میں

مریض کو اسپتال لے جانے سے منع کیا جا رہا ہے کہ ابھی اس کی جان باقی ہے۔ یوں تو سارے کاروبار صوبے میں ٹھپ پڑے ہیں مگر شاعر بتاتا ہے کہ منافع کا ایک کاروبار ہے اور وہ اغوا کا کام ہے۔ مزید ابتری کی حالت بتاتے بتاتے شاعر اس مقام تک ہمیں پہنچاتا ہے:

ہیں تو تینوں ہی لٹیرے، یہ ذرا بتلایئے
فرق ہے کیا چور ہیں، نیتا میں، تھانے دار میں

اس شعر تک آتے آتے شاعری اپنے موضوع کے اعتبار سے بے حد دل چسپ اور معرکۃ الآرا ہے۔ اردو کے حکومت کی زبان بننے کے معاملات اس نظم میں زیر بحث آئے ہیں۔

شاعری میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تو ہے ہی مگر وہ دانش ور بھی ہے۔ فصیل وقت پر لکھی ہوئی باتیں وہ بھلا نہیں سکتا۔ تاریخ سے بھی اسے نہ جانے کتنے سبق حاصل ہو چکے ہیں۔ شاعر نے امکانات کو نگاہ میں رکھا اور مبالغے کی بنیاد پر اپنی نظم کا ہوائی قلعہ تیار کیا۔ شاعر اندازہ کرتا ہے کہ تھوڑے امتحانات دے کر مترجم بننے والے لوگوں کی اگلی زندگی کیا ہوگی؟ ایسے امتحانات میں اصطلاحوں کے اردو، ہندی ترجموں پر خاصا زور رہتا ہے، اس لیے شاعر نے یہ محسوس کیا کہ جو اردو داں آبادی بالخصوص شاعر اور ادیب اپنی اردو دانی کی بنیاد پر اس کوچے کی سیاحی میں نکلے ہیں، وہ کل سرکار کی اس بھٹی سے کندن بن کر نکلیں گے یا کہ کوئلہ۔ اس موضوع پر یہ عجیب وغریب نظم ہمارے سامنے آتی ہے۔ شاعر اور ادیب کس طرح سرکاری ملازم بنے، اس کی ترکیب شاعر نے یوں بتائی ہے:

ٹائپنگ اردو کی سیکھی، رٹ گئے شبداولی
تھوڑی محنت سے ہی لکھنا آگئی دیونا گری
کچھ دنواں میں ہوگئی قسمت کی دیوی مہرباں
بن گئے سرکار کے نوکر یہ سب اہل زباں

یوں تو یہ ایک عام سا موقع تھا۔ حکومت نے اردو کے لیے بند دروازے کھولے اور ترجمے کی مہارت کی جانچ پرکھ کر کے لوگوں کو ملازمت دی۔ زبیر الحسن غافل اس کے آگے کا حال تخیل کی آنکھ سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ سرکاری دفتروں میں ان کی پوری زندگی گزری، اس لیے انہیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی جس رنگ کا بھی آئے، وہ سرکار کے رنگ میں رنگ جائے گا۔ وہ ملازمت منصفی میں کر گزار تھے، وہاں بھی پہلی سرکاری زبان کے داخلے کے جبر اور زور کو ملاحظہ کر رہے تھے۔ اس لیے ان کے اندیشے ہمارے لیے توجہ طلب ثابت ہوئے۔ فن ترجمہ پر اس بہانے جو عتاب نازل ہونے والا تھا، اس کی ایسی تصویر کشی اس نظم میں کی گئی ہے جیسے یہ کوئی کائناتی صداقت ہی ہے۔ آج یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ شاعر نے مبالغے کی آنکھ سے اور مشاہدے اور تجربے کی صلاحیت سے جو صورت حال واضح کی ہے، اس سے کہیں زیادہ برے حالات آج ننگی آنکھوں سے ہم دیکھ سکتے ہیں۔ آج سے غالباً تین دہائی قبل جو خدشات شاعر نے ظاہر کیے تھے، وہ پہلے انہیں کی

زبان میں ملاحظہ کیجیے:

دفتروں میں ہر قسم کی فائلیں چرنے لگے
عرضیوں کا ترجمہ ہندی میں یہ کرنے لگے
ناقدوں اور ناشروں کا ڈر نہ کوئی جب رہا
یک بیک انگڑائی لے کر جوہر خفتہ جگا
پھر تو لفظوں کا نیا اک دفتر معنی کھلا
سر کی وپدا ہوگیا شوریدہ سر کا ترجمہ
حسن ظن کو کہہ گئے ناری کی سندرتا اگر
فن ظرافت کو لکھا برتن بنانے کا ہنر
ایک صاحب نے اگر کوزہ میں دریا بھردیا
دوسرے نے موج میں ساغر کو ساگر کردیا
سرخ رو ہونے کو چہرہ لال ہونا گر لکھا
دوسرے نے ماہ کامل کو مہینہ بھر لکھا

شاعر کے حس مزاح کی داد دیجیے کہ مستقبل کی دیوار پر شاہ سرخیوں کو وہ صاف صاف ملاحظہ کررہا ہے۔ پہلے ہی شاعر نے بتادیا کہ دفتروں میں ہر طرح کی فائلیں وہ آزمائے گا۔ پھر ذرا اعتماد آنے پر بے خوف ترجمہ کرے گا اور رفتہ رفتہ وہ دن بھی آئے گا کہ یہ سرکاری مترجم ہندی کا کفن بھی پہنائے گا۔ بات سخت ہے مگر زبیرالحسن غافل کو صاف صاف بہت کچھ نظر آرہا ہے۔ ملاحظہ ہو ''ترک شاعر'' کا نقطۂ عروج:

دیکھنا تم ایک دن جادو جگاتا ان کا فن
میت اردو کو پہنائے گا ہندی کا کفن

اس سلسلے کی نظم ''یوم اردو'' بھی ہے۔ ابھی فروغ اردو کا موسم ہے اور اخبارات سے لے کر سوشل میڈیا تک اس اصطلاح کی ریلم پیل ہے مگر زبیرالحسن غافل کو بروقت یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ یوم اردو کا سرکاری شوشہ کس قدر غیر افادہ بخش ہے؟ سوال زبان کی جڑوں کی آبیاری کا

ہے مگر حکومت ہمیں بنیادی کاموں کے بجائے پتیوں پر چھڑکاؤ کرنے کے لیے الجھا دیتی ہے۔ زبیرالحسن غافل نے اپنی نظم میں یہ سوال پوچھا کہ یوم اردو آخر کیوں کر مناتے ہیں؟ اس سوال کے پس پشت تلخ حقائق پیش کیے گئے ہیں۔ تعلیمی اداروں سے اور گھروں سے ہماری زبان رخصت ہورہی ہے مگر ہم جشن اور تماشوں پر خاص توجہ کرتے ہیں۔ ایسی صورت حال پر شاعر یوم اردو منانے کا سبب خون کے آنسو روتے ہوئے اس طرح بیان کرتا ہے:

پھر ذرا کچھ سوچ کر یوں با ادب میں نے کہا
اردوئے مرحوم کی سمجھیں اسے برسی جناب
فاتحہ کے واسطے ہی آئے ہیں شاعر یہاں
روح اردو کو اسی صورت ملے شاید ثواب

روزگار، نسخۂ لیڈری، نیا الیکشن اور منصفوں کی زندگی اور ان کے مزاج پر خاطر خواہ اشارے یہاں آگئے ہیں۔ شروع ہی میں جج حضرات کی زندگی اور اپنے خول میں بند رہنے کے معاملے کو وہ گھونگھے سے تعبیر کرتے ہیں۔ خود فریبی کی نقاب ڈالے ہوئے ہونا یا دوسرے کی عیب جوئی میں ہمہ تن مصروف ہونا جیسے معاملات ایک جج ہی اپنے پیشے کی صفت کے طور پر بیان کرسکتا ہے۔ سماج سے کٹ کر جینے کی انہیں کچھ ایسی عادت ہوجاتی ہے کہ وہ اسی دائرے کو اپنی زندگی سمجھ لیتے ہیں اور ان کی حالت کچھ ایسی ہوجاتی ہے کہ اس کا بیان شاعر کے ان مصرعوں میں ہی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

چونک اٹھتے ہیں کسی کو گھر میں آیا دیکھ کر
جس طرح گھوڑا بدک جاتا ہے سایا دیکھ کر

زبیرالحسن غافل کی ظریفانہ شاعری کے اسلوب پر توجہ دیں تو ایک خاص انداز کی یکسانیت سے ہمارا سابقہ پڑتا ہے۔ عجلت میں اسے بوقلمونی کا تضاد نہ سمجھا جائے۔ یہ اسلوب غور و فکر اور دانش مندی کے اوصاف کے ساتھ وضع ہوا ہے۔ نقادوں کا ایک بڑا طبقہ ہمارے پچھلے عہد کے بے مثل ظرافت نگار رضا نقوی واہی کے بارے میں بھی یہ بات کہتا رہا ہے مگر اس اسلوب نے کمال پایا اور شاعر نے اپنے پڑھنے والوں کے ادبی ذوق کی تربیت کی۔ یہاں یکسانیت ہے تو یہ ندی کے بہاؤ کا قرار ہے۔ موضوعات اور مضامین کی پشت پر جو فکر و فلسفہ ہے، اس کا اطمینان ہے۔

یہ ظریفانہ سرمایہ ہر چند مختصر ہے مگر اس میں ہمارے عہد کے بعض اہم موضوعات اور دل پذیر اسلوب شیر وشکر ہوکر ایک قابل مطالعہ، ایک قابل توجہ شاعری کے آہنگ میں ڈھل گئے ہیں۔فکر و فن اور موضوع واسلوب کی سطح پر زبیرالحسن غافل کے یہاں ایک عمومی توازن نظر آتا ہے جس کے سبب بہار کے قابل ذکر ظرافت نگاروں میں ان کا شمار کیا جاسکتا ہے۔

زبیرالحسن غافل کی ظریفانہ شاعری کے حصے میں مٹھی بھر غزلیں بھی ہیں۔غزل ایک ایسی صنف ہے کہ اس کے بغیر کسی شاعر کا کام نہیں چلتا۔سنجیدہ شاعر ہو یا ظریفانہ، ان غزلوں یا مزاحیہ غزلوں میں شاعر نے اردو کی عمومی ظرافت کو تو آزمایا ہی مگر صنف کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ بے حد دل پذیر شعر بھی سامنے آیا ہے۔زبیرالحسن غافل کی ایک غزل تو اس لائق ہے کہ اس کا ہر شعر برسر محفل پیش کیا جائے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کیا بتاؤں حال اپنا جب سے شوہر ہوگیا
نصف بہتر وہ ہوئیں میں نصف بدتر ہوگیا
اپنا دامن جھاڑ کر تو ساس خوش دامن ہوئیں
بھوت جو چمٹا تھا ان سے، اب مرے سر ہوگیا

اس غزل میں مضمون آفرینی کے طور پر دو اشعار ملاحظہ کیجیے اور شاعر کی ذہانت اور منطقی مہارت کو ملاحظہ کیجیے:

گیٹ پر جنت کے یوں سخت چیکنگ تھی مگر
شیخ جی کا داخلہ اسٹاف کہہ کر ہوگیا
قاعدے کی رو سے تو تانیث ہونا چاہیے
پھر بھلا یہ مولوی کیوں کر مذکر ہوگیا

اسی غزل میں ہنستے کھیلتے شاعر سے یہ شعر سرزد ہوا:

اتنا ہنگامہ ہے کیوں یہ آدمی کیا چیز ہے
یہ تو ایسا دور ہے، اللہ بے گھر ہوگیا

اندازہ ہی نہیں ہوا کہ شاعر خوش گپیاں کرتے ہوئے شوہر بیوی اور شیخ اور مولوی پر طنز

کے تیر چلاتے ہوئے اچانک اتنا سنجیدہ اور متین لہجہ اختیار کر لے گا اور عالم انسانیت کے مشکل سوالوں سے نئے الجھاوے پیدا ہوں گے۔ بڑا اور اچھا ظرافت نگار اقبال کے لفظوں میں 'دردو داغ وجستجو وآرزو' کی بنیاد پر اپنے فن کا محل تیار کرتا ہے۔ ہر قلم کار چاہے جو بھی اسلوب اختیار کرنا پڑے، اسے جمعیت انسانی کے دردوسوز تک پہنچنا ہے۔ میر بھی وہیں تک پہنچے اور منٹو بھی اپنے کمال کے دوران اسی منزل کے طلب گار ہوئے۔ زبیرالحسن غافل بھی کہیں نہ کہیں اپنی ظرافت اور ہنسی مذاق کی آخری منزل سوز انسانی میں تلاش کرتے ہیں۔ کاش ان کی ہر غزل ایسے اشعار سے آراستہ ہوتی تو انہیں اردو کے معتبر ظرافت نگاروں میں لازمی طور پر شمار کیا جاتا۔

زبیرالحسن غافل کی شہرت اگرچہ ان کی ظریفانہ شاعری کے سبب ہوئی اور ایک عالم انہیں اسی حیثیت سے پہچانتا بھی ہے مگر وہ اول وآخر ظرافت نگار نہیں ہیں۔ ان کی ظرافت میں بھی حالات اور مضامین کے تئیں جو سنجیدگی دکھائی دیتی ہے، اس سے واضح اشارے ملتے ہیں کہ وہ کہ وہ فکر ودانش کی بنیاد پر وقوعات کو دیکھنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے مجموعے میں زلیں، نظمیں بھی معقول تعداد میں موجود ہے جنھیں آپ سنجیدہ یا غیر ظریفانہ کے خانے میں رکھ سکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ مقامی مجلسی ضرورتوں کے پیش نظر انہوں نے خاصی تعداد میں طرحی غزلیں کہیں ہیں۔ ان تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے انھیں صرف ظریفانہ دائرے میں رکھ کر سمجھنا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس کلام میں بھی ان کی جہاں دیدنی اور غور وفکر کرنے کے ساتھ ساتھ روایتی شعر کو بہت حد تک نبھانے کا شعور نظر آتا ہے۔ جگہ جگہ بولتے ہوئے مصرعے اور معنوی تہہ داری سے لیس اشعار ہیں۔ شاعر کے معیار کی وضاحت کرتے نظر آتے ہیں۔ چند منتخب اشعار ملاحظہ کریں:

غافل کو ڈھونڈیے بھی تو پائیں گے اب کہاں
دیوانہ آدمی تھا نہ جانے کدھر گیا

میری پرواز کی رفعت کے آگے
حدیں سمٹی زمین و آسماں کی

گھروں سے اپنے جو نکلے تھے صبح میں یارو
بہت ہی کم تھے جو ان میں سے لوٹ کر آئے

روند ڈالے نہ کہیں انساں اسے
آسماں کو اور کچھ اونچا کرو

گماں یقیں کا سہارا اگر نہیں ہوتا
غم حیات سے گھبرا کے مر گئے ہوتے

نہ ہوتا گھات میں صیاد تو یقیں جانو
پرندے لوٹ کر اپنے ہی گھر گئے ہوتے

خوش نہ اتنا ہویئے طوفان پھر طوفان ہے
کون جانے ساتھ اپنے کس کا گھر لے جائے گا

یہ اشعار کسی ایسے شاعر کی فکر کا نتیجہ نہیں جسے آپ منھ کا مزا بدلنے کے لیے شعر کہنا سمجھتے ہوں۔ ہر چندان اشعار میں معروف، معاصر بعض کلاسیکی شعرا کی آواز بازگشت موجود ہے مگر اس سے کون محفوظ رہ سکا ہے۔ غالب نے کیا خوب رہ نمائی کی تھی:

چلتا ہوں تھوڑی دیر اک راہ رو کے ساتھ

زبیرالحسن غافل بھی قابل اعتبار آوازوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔ یہ کیفیت ان کی طرحی غزلوں میں بھی پورے طور پر موجود ہے۔ عام طور سے شعرا ودرت کلام ثابت کرنے کے لیے ایسی غزلیں مقامی محفلوں میں پیش کرتے رہے ہیں۔ غافل صاحب نے بھی ایک مختصر مقدار میں استذہ فن کے مصرعوں پر غزلیں پیش کر کے اپنی کلاسیکی بصیرت کا اظہار کیا ہے۔ دوسروں کے اثرات قبول کرنے کا یہ انداز شعری مجموعے کے بھی آخری حصے میں بھی قائم ہے جہاں لیڈر خیالات اور جشن جمہور وغیرہ نظموں میں جوش اور اقبال کے اسلوب کی پیروی نظر آئے گی۔

زبیرالحسن غافل نے اپنی شعری مجموعے کا نام اجنبی شہر منتخب کیا۔ کتاب کا بالکل آخری کنارہ ایسی تخلیقات سے مکمل کیا گیا ہے جیسے کوئی۔۔رنگ صفحہ مرتب کیا جا رہا ہو۔ میر نے بھی کہا تھا:

دلی کے نہ تھے کوچے، اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

میر خوش نصیب تھے کہ دلی پر ماتم کرتے ہوئے لکھنؤ پہنچے اور آرام سے گزر بسر کرتے

ہوئے باقی ماندہ زندگی انجام تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ہم،آپ اورزبیرالحس غافل کے زمانے میں یہ لٹتی ہوئی اورلہولہان دلی اور ہر گاؤں اورشہر تک پھیل چکی ہے۔اب کس کس دلی کا مرثیہ لکھیں۔زبیرالحسن غافل نے اپنے مجموعے کے آخر میں ایسی ہی خوں آشام تحریریں پیش کی ہیں۔اجنبی شہراس اعتبار سے ان کی فکر کا نمائندہ ہے۔یہ کوئی نیا شہرنہیں ہے جہاں ہم پیدا ہوئے اورمل جل کرہم نے ایک خوابوں کا اپنا ملک بنایا مگر وقت نے اسے جینے کے لائق نہیں رکھا۔جب اپنا گھر،اپنا شہر،اپنا ملک اجنبی معلوم ہوتو انسان پر کیا کچھ گزرتی ہوگی یہ سمجھا جاسکتا ہے۔ان تمام کیفیات کوشاعرنے اس نظم میں پیش کردیا ہے۔اس موضوع کی توسیع نظم 'آس' میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے جہاں سب کچھ بدل جانے کے باوجود شاعرکو یہ محسوس ہوتا ہے کہ برگد کی چھانو میں ہماری اگلی نسلیں کھیل سکیں گی اور یہ امیداور بہتر دنا کا خواب اصل میں جینے کا ایک قیمتی ذریعہ ہے۔ جیسے زبیرالحسن غافل سخت حالات کے باوجود اپنے مالک حقیقی سے ملنے چلے گئے،کاش!ان کی فکر مندی اصحاب اقتدار پراپنا کوئی اثر ڈال پاتی۔

غافل کا اجنبی شہر

ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی
صدر، شعبہ اردو، پٹنہ یونیورسٹی

ظرافت کا طنز و مزاح سے گہرا ربط ہوتا ہے، لیکن صرف طنز یا صرف مزاح کو ظرافت نہیں کہا جا سکتا۔ جب کسی پیش کش میں طنز و مزاح کی آمیزش ہوتی ہے تو یہ ظرافت بن جاتی ہے۔ یہ آمیزش جتنی حسین اور متوازن ہوتی ہے ظرافت میں اتنا ہی نکھار آتا ہے۔ معیاری ظریفانہ ادب معاشرے میں پائے جانے والے مسائل اور امراض کی نشاندہی کرتا ہے اور ذمہ دار افراد و جماعت پر شگفتگی کے ساتھ طنز کرتا ہے تا کہ طنز کا نشتر مادۂ فاسد کے اخراج کا سبب بنے اور نشتر زنی کی اذیت قابل برداشت رہ سکے۔ اسی لیے کہا گای ہے کہ اعلی اور معیاری ظریفانہ شاعری کے لیے ضروری ہے کہ اس میں طنز و مزاح کی آمیزش کے ساتھ فکری عنصر بھی شامل ہو۔

اس نقطۂ نظر سے جب میں نے زبیر الحسن غافل کی شاعری میں طنز و مزاح کی حسین اور متوازن آمیزش کے ساتھ ساتھ فکر کی توانائی بھی پائی جاتی ہے۔ ان کی نظموں، قطعات اور پیروڈیوں کا تجزیہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ شاعر کا مشاہدہ بہت گہرا ہے اور اس کے مزاح میں فطری مزاح کا پہلو پایا جاتا ہے جو فکر کی بنیاد پر طنز کے نشتر کو مقصدی اور افادی بنا دیتا ہے۔ عصر حاضر کے مسائل جنہوں نے معاشرتی زندگی میں ایک بحران پیدا کر رکھا ہے ان کا تجزیہ غافل کی شاعری میں بڑے فنکارانہ انداز میں ملتا ہے اور یہ تجزیہ صرف نشتر ہی نہیں لگاتا بلکہ ذہن کو اصلاح حال کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔ شاعر نے حیات اور معاشرے کی بے اعتدالیوں پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے

اوران پر جی کھول کر قہقہہ لگایا ہے۔اس عمل میں خود ہم اور ہمارا معاشرہ بے نقاب ہورہے ہیں۔ اپنے ہی زخموں کو کرید کی قہقہہ لگانا بڑے دل گردے کی بات ہے،مگر شاعر میں یہ جرأت ہے اور اس لیے وہ مبارک باد کا مستحق ہے۔اس ضمن میں غافل کی نظمیں پروگرام،نسخۂ لیڈری، رشوت، اینٹی شوہر کانفرنس، صاحب دیوان،ترک شاعری، یوم اردو، روزگار اور کیا بتاؤں حال اپنا وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔نسخۂ لیڈری پڑھ کر آسانی سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ''نیتا گیری'' کے اجزائے ترکیبی میں کیا چیزیں اہم ہوں گی۔

ایک قرص بے حیائی صبح اٹھ کر لیجئے چار چمچے آب خود غرضی ملا کر پیجئے

ناشتے میں ایک چمچہ جھوٹے وعدوں کا لبوب ساتھ اس کے دے مزاعرق ریا کاری بھی خوب

غافل خود وکیل تھے مگر کس بے باکی سے ایک وکیل کا پروگرام بتا گئے ہیں، ملاحظہ کیجیے۔

شب میں جو پلیڈر کو کہیں ڈھونڈنا چاہیں بیوی کو وہ بڑا پنی سنانے میں ملے گا

اور صبح کو ٹم ٹم کے یا اسٹینڈ پہ بس کے دیہاتی موکل کو پھنسانے میں ملے گا

اور دن کو کچہری میں موہ اک کرسی پہ بیٹھا یا اُنگھتا یا گپیں لڑانے میں ملے گا

اور شام کو پھر قرض کسی دوست کا لے کے دلالوں کو وہ چائے پلانے میں ملے گا

اور بھرشٹا چار پہ طنز کی ایک صورت اس شعر میں ملاحظہ کیجیے۔

گیٹ پہ جنت کے یوں تو سخت چیکنگ تھی مگر شیخ جی کا داخلہ اسٹاف کہ کر ہوگیا

رضا نقوی واہی نے ایک جگہ لکھا تھا کہ ''طنز ومزاح کا تعلق معاشرتی مسائل سے ہے۔ یہ گہرے عرفان حیات یا معاشرے کے شعور سے پیدا ہوتا ہے''۔آج کے معاشرے کا کینوس اپنے مسائل ومشاغل کے اعتبار سے بہت پیچیدہ، وسیع اور پہلودار ہے۔اس لحاظ سے نامعقولیت کے تضادات کا میدان بھی کشادہ ہوگیا ہے۔ان پر سنجیدگی اور ہمدردی سے نگاہ رکھتے ہوئے اپنے کام کا مواد تلاش کرنا اہل ظرافت کا اصل منصب ہے۔مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ غافل اس منصب سے پوری کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔انہوں نے اپنی نظموں میں ہمارے دور کی بیشتر ناہمواریاں، مضحکہ خیزیاں، سیاسی شعبدہ بازیاں اور معاشی ومعاششرتی آلودگیاں کمال فنکاری سے پیش کردی ہیں۔اور کمال یہ بھی ہے کہ شاعر نے اپنی فنکاری کو ابتذال اور

پھکڑ پن سے بچانے میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کے سانحے کو انہوں نے جس زہرناکی کے ساتھ اپنی نظم ''ایک گھر اللہ کا'' میں پیش کیا ہے، اس میں ظرافت کی مٹھاس کے ساتھ تلخی اور طنز کی زہرناکی ہمارے ہونٹوں سے مسکراہٹ کو چھین لیتی ہے۔

غافل نے ہمارے سیاسی وسماجی نظام پر خلوص دل کے ساتھ مہذب اور شائستہ طنز کے تیر چلائے ہیں جس کے پیچھے پوشیدہ اصلاحی اور افادی پہلو کو بڑی آسانی سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ معاشرتی مسائل پر ان کی طنزیہ نظمیں انسانی احساس کی بیدار کرنے کا فرض انجام دیتی ہیں۔ مثلاً نظم ''روزگار'' کے یہ اشعار دیکھیے۔

رائٹ کا کاروبار بھی کیا کاروبار ہے گھر میں مرے اسی کی وجہ سے بہار ہے
مارا گیا فساد میں جب کوئی آدمی گھر میں ہمارے کوئی نئی چیز آگئی
جب بھی کسی نصیب کے مارے کا گھر جلا دیوار و در پہ میرے نیا رنگ چڑھ گیا

اس 'روزگار' میں فسادات کی تباہی اور نتائج کی کتنی خوش سلیقگی مگر تلخی کے ساتھ عکاسی کی گئی ہے، بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

غافل نے موضوعات نظموں کے علاوہ طنزیہ قطعات اور پیروڈیاں بھی لکھی ہیں۔ ان کے قطعات میں طنز ومزاح کے جوہر دیکھنے کے قابل ہیں۔ صرف ایک قطعہ ملاحظہ کیجیے۔

کل بھری محفل میں یہ اک دل جلا کہنے لگا آ بتاؤں تیل کیوں مہنگا ہے ہندستان میں
کچھ تو چمچے لے گئے ہیں ان کی مالش کے لیے اور باقی ڈال کر بیٹھے ہیں نیتا کان میں

''پیرودی'' ظریفانہ شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔ اکبر الہ آبادی سے دلاور فگار، ضمیر جعفری اور رجا نقوی واہی تک سب نے پیروڈی میں اپنے کمال کا اظہار کیا ہے۔ اودھ پنچ سے شروع ہونے والی اس صنف نے اس عرصے میں بہت سی شکلیں بدلی ہیں۔ غافل کے یہاں جو شکل پیروڈی کی ملتی ہے وہ محض نقالی یا مضحکہ خیزی نہیں بلکہ کسی پیش رو شاعر کی فکری و اسلوبیاتی توسیع ہے۔ جس کے ذریعہ انہوں نے غالب، اقبال، فیض اور مجروح جیسے شعرا کے سنجیدہ افکار و احساسات کو ظریفانہ پیرایے میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً فیض کی ایک نظم کی پیروڈی ملاحظہ کریں۔

ائے میری جان تمنا اے مرے جان بہار جب سے میکہ تیرا میرے لیے سسرال ہوا
کیا عجب بات ہوئی کیسی یہ کایا پلٹی جیب پھولی تیرے ابا کی، میں کنگال ہوا
فکر راشن کی لگی رہتی ہے تنہائی میں کس طرح پیار کی باتیں کروں مہنگائی میں
مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ

فیض سے زبیرالحسن غافل زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔اس لیے ان کی فکر اور طرز دونوں پر فیض کا خاصا اثر دکھائی دیتا ہے۔ایک طرف فیض کی ترکیبیں، استعارے، محاورے اور طرز بیان کا اثر واضح ہے تو دوسری طرف فیض کی طرح ہی وسیع تر انسانی ہمدردی اور ظلم واستحصال کے خلاف احتجاج کا عنصر بھی ان کی شاعری میں نمایاں طور پر موجود ہے۔لیکن یہ عنصر زیادہ صاف صاف ان کی سنجیدہ غزلوں میں ہی دکھائی دیتا ہے۔ظریفانہ شاعری میں تو ان کا اسلوب اور انداز الگ ہی قسم کا ہے، دل فریب اور من موہنے والا۔ذرا سا شوخی، ذرا سا طنز کی پوٹ لیے، ذرا سا مزاح کی چاشنی لیے ہوئے۔گاہے براعبرت ناک اور گاہے بڑی دل فریب کیفیت لیے ہوئے۔اس کیفیت کے چند متفرق اشعار بھی آخر میں ملاحظہ کر لیجیے۔

آدمی ہر گز کبھی شوہر نہ ہو شرط یہ ہے عقل پہ پتھر نہ ہو
تیسرا ہر شخص نیتا ہے یہاں چاہے اس کا ایک فالوور نہ ہو

کیا بتاؤں حال اپنا جب سے شوہر ہوگیا نصف بہتر وہ ہوئیں میں بد سے بدتر ہوگیا
اپنا دامن جھاڑ کر تو ساس خوش دامن ہوئیں بھوت جو چمٹا تھا ان سے اب مرے سر ہوگیا
سر کٹانے سے ہی ہوتی نہیں تکمیل وفا امتحان عشق کا ہے جیب کے کٹ جانے میں
اظہار محبت پہ وہ کہنے لگے غافل تنخواہ بھی تم اپنی بتا کیوں نہیں دیتے

زبیرالحسن غافلؔ کی شعری کائنات

ڈاکٹر اجے مالوی
الہ آباد، اتر پردیش

اکیسویں صدی کی دوسری دہائی کے اس مابعد جدید منظر نامہ میں زبیرالحسن غافلؔ ایک اہم شاعر ہیں۔ زبیرالحسن غافلؔ پیدائشی شاعر ہیں۔ بچپن سے ہی ان کو شعر و شاعری کا ذوق وشوق رہا ہے۔ شعروشاعری ان کو وراثت میں ملی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے ددھیال اور ننہیال میں شعروشاعری کا ماحول سرگرم تھا۔ ان کے نانا فرزند علی شیداؔ اردو اور فارسی میں ظریفانہ شاعری کرتے تھے۔ زبیرالحسن کی پیدائش ۲۷ جنوری ۱۹۴۴ء میں ایک متوسط زمیندار گھرانے میں ہوئی۔ ۱۹۴۴ء میں بی۔ ایس۔ سی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد والد کے حاکم سے قانون میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۴۸ء میں بی۔ ایل کرنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں سول کورٹ ارریا میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۷۵ء میں منصف کے مقابلہ جاتی امتحان میں شریک ہوئے اور ان کو کامیابی نصیب ہوئی۔ جس بعد وہ بہار کے مختلف ضلع میں بطور منصف کے عہدے پر فائز رہے۔ جنوری ۲۰۰۴ء میں بہار کے مظفر پور سے ایڈیشنل ڈسٹرسکٹ جج کے عہدے سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ ان کے والد جناب ظہورالحسن صاحب کہنہ مشق شاعر تھے اور حسنؔ تخلص رکھتے تھے۔ جناب ظہورالحسن حسنؔ صاحب کے چند غزلیہ اشعار نمونے کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

آج نکلا ہے حوصلہ دل کا
لے لیا بوسہ پائے قاتل کا

دیکھ کر میری رفعتِ پرواز
منہ ہوا زرد ماہ کامل کا

زبیرالحسن غافلؔ کوشعروشاعری کا شوق طالب علمی کے زمانے سے ہی تھا۔وہ اکثر دل بہلانے کے لیے شعروشاعری کر لیتے تھے لیکن وہ ان کو شائع نہیں کراتے تھے۔دوستوں کے اصرار پر انھوں نے اپنا شعری مجموعہ ’’اجنبی شہر‘‘ ۲۰۰۷ء میں شائع کرایا۔جس کی ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی ہوئی۔اس شعری مجموعہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس شعری مجوعہ کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔اس شعری مجموعہ میں شاعر نے غزلیں ،نظمیں، قطعات اور ماہیوں کی تخلیق کی ہے اور فیض احمد فیضؔ کے مشہور نظم کی پیروڈی بھی انھوں نے بڑے ہی پر لطف انداز میں بیان کی ہے۔زبیرالحسن کے اس شعری مجموعہ میں سیاسی،سماجی اور ہندوستانی تہذیب و ثقافت کا شعور روشن ومنور ہے۔زبیرالحسن غافل بڑی صاف گوئی سے اور بیباکی کے ساتھ اپنی شاعری کے ابتدائی دور کے سلسلے میں اپنے خیالات وتاثرات کا اظہار کرتے ہوئے اس کتاب میں ’’کچھ اپنے بارے میں‘‘ رقمطراز ہیں:۔

’’اس طرح میرے اندر شاعری، وکالت کے جراثیم وراثتاً منتقل ہوئے لیکن میں نہ تو کامیاب شاعر بن سکا اور نہ میں ایک کامیاب وکیل۔ویسے میرے دوستوں و کرم فرماؤں کی بیجا تعریف نے مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ میں اچھے اشعار کہہ سکتا ہوں لیکن اس غلط فہمی کے باوجود میں کبھی اپنی بے تکی غزلیں و نظمیں کسی معیاری رسالہ میں اشاعت کی غرض سے بھیجنے کی ہمت نہ کر سکا۔میری پہلی نظم جو کسی رسالہ میں شائع ہوئی وہ ’’اجنبی شہر‘‘ تھی۔جب وہ نظم میں نے پہلی بار ارریا کے ایک مقامی مشاعرے میں پڑھی تھی،جس کی صدارت اس وقت ارریا کے سول ایس۔ڈی۔او (جن کا نام مجھے ابھی یاد نہیں) کر رہے تھے۔سامعین نے میری کافی ہمت افزائی کی۔ایس۔ڈی۔او صاحب کو بھی وہ نظم پسند آئی اور انھوں نے مجھ سے وہ نظم لے کر ماہنامہ ’’پاسبان‘‘ کو بغرض اشاعت بھیج دی اور اتفاق سے شائع بھی ہوگئی۔اس کے بعد تو مقامی شاعروں کے درمیان مجھے استاد

سخن سمجھا جانے لگا۔''

(اجنبی شہر:ص ۱۱)

زبیرالحسن غافلؔ کا شمار اردو کے کلاسک شعرا میں ہوتا ہے۔ان کے ذہن میں بھی کلاسیکی شعرا کی طرح جنون اور دیوانگی کی کیفیت نظر آتی ہے۔دل کے درد وکرب، رنج وغم اور دکھ والم کا اظہار ان کی ظریفانہ شاعری میں جابجا نظر آتا ہے۔ جہاں سامعین اور قارئین کو نشاط کی کیفیت بھی ملتی ہے اور درد وکرب بھی ملتا ہے۔یہی زندگی کا اصل جوہر ہے۔ انھوں نے سماج میں اپنی کھلی آنکھوں سے جو دیکھا ہے، محسوس کیا ہے اور بھوگا ہے، اس کو انھوں نے اپنی شاعری میں بڑے ہی فنی لطافت کے ساتھ طنز ومزاح کو چاشنی میں گھول کر ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔زبیرالحسن غافلؔ حساس دل کے مالک ہیں۔وہ سماجی مسائل کو طنز ومزاح کی چاشنی میں برتنے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔غافلؔ کی شاعری پر اپنے پُرمغز اور معنی خیز خیالات وتاثرات کا اظہار کرتے ہوئے حقانی القاسمی نے فرمایا ہے:

> ''زبیرالحسن غافلؔ کی شاعری میں 'نشاطِ کرب' کی بھی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ دراصل یہی نشاطِ غم ہے جو زندگی کا اصل فلسفہ ہے اور اسی فلسفہ سے انسانی زندگی میں امید اور رجا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔تمام تر خطرات کے باوجود امید ورجا کا شاعر زندگی کو نہایت آزادروی کے ساتھ گزار دیتا ہے۔دیکھا جائے تو کلاسیکی شاعروں کی طرح غافلؔ میں بھی ایک جنون اور دیوانگی کی کیفیت ہے اور اسی مقدس دیوانگی میں ان کی زندگی کے زاویے اور حیات وکائنات کے نظریے کو اثباتی رنگ عطا کیا ہے۔حیات وکائنات کے تضادات میں انھوں نے جو اُفق تلاش کیا ہے، وہ توافق ان کے اندرون اور ذہنی وفکری صحت مندی کا اشاریہ ہے۔''

(اجنبی شہر:ص ۳۱)

زبیرالحسن غافلؔ طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے ساتھ ساتھ سنجیدہ شاعری بھی بڑی ہنرمندی اور کامیابی کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کے مجموعہ کلام ''اجنبی شہر میں ''چارہ گر''، ''رشوت''، ''بہار کی

موجودہ حالت''، ترک شاعری''، ''اینٹی شوہر کانفرنس''، ''ایک لیڈر سے انٹرویو''، ''مسئلہ''، ''یوم اردو''، ''صاحبِ دیوان''، ''نیا الیکشن''، منصف صاحب''، ''روزگار''، ''نسخۂ لیڈری، ''شاعر''، ''لیڈر''، ''پروفیسر''، ''جشنِ جمہور''، اور''ہولی'' وغیرہ طنز ومزاح کی عمدہ مثالیں ہیں۔ غافلؔ حساس دل کے مالک ہیں۔ وہ سماجی اور عوامی مسائل کو طنز ومزاح کی چاشنی میں برتنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔ وہ اپنی مہذب ظریفانہ اور مزاحیہ شاعری کے ذریعہ قارئین اور سامعین کو صرف ہنسنے اور ہنسانے کا ہی کام نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ قارئین اور سامعین کو بہت کچھ سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔۔ان کی ظریفانہ شاعری میں ہمدردی کے عناصر اور لوازمات جا بجا نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی نظمیہ شاعری سے صرف دوسروں کو ہنسانے کی کوشش ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پردہ اُٹھاتے ہیں تاکہ قارئین اور سامعین اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھ سکیں اور ان کے مضحک پہلوؤں پر ہنسے اور قہقہہ لگائیں۔ غافلؔ نے نظم ''چارہ گر'' میں بہار صوبہ کے چارہ گھوٹالے کی حقیقی اور سچی تصویر کو بڑی بیباکی اور کامیابی کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ نظم ''چارہ گر'' کے اشعار خاطر نشیں ہوں:

یہ مویشی کے مسیحا یہ طبیب جانور
کھا گئے چارہ انھیں کا جن کے تھے یہ چارہ گر
زور سے اپنے قلم کے پہلے پھیلائی وبا
پھر چکستا کے لیے مانگی حکومت سے دوا
جو دوائیں دی گئی تھیں جانور کے واسطے
ان کو بھی بازار میں یہ بیچ کر سب کھا گئے
پھر وبا مین مر گئے سارے کے سارے جانور
جن کو بانٹا تھا انھوں نے پہلے فرضی نام پر
ان غریبوؔں کو نیا اک جانور پھر سے ملے
اس لیے موٹی رقم بھیجی انھیں سرکار نے
پھر وہی ترکیب پہلے کی سی دہرائی گئی

یعنی فرضی نام پر ساری رقم کھائی گئی
پھر سروں پہ رکھے ان کے چند نیتاؤں نے ہاتھ
یوں طویلے میں بندھے خچر بھی اب گھوڑوں کے ساتھ
رات بھر میں سارا چارا ان کی سازش چر گئی
جو طویلے کی بلا تھی بندروں کے سر گئی
پھر تو کچھ ہی سال میں وارے نیارے ہو گئے
گائیں بھینسیں اور گھوڑے سب بیچارے ہو گئے

زبیرالحسن غافلؔ کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری اپنے عہد کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ بڑی سے بڑی بات کو طنز و مزاح کے پیکر میں بڑی خوش اسلوبی اور فنی لطافت کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بہار صوبہ کی موجودہ صورتِ حال کو انھوں نے اپنی نظم ''بہار کی موجودہ حالت'' میں بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ایسی حالت ہو گئی سڑکوں کی اس سرکار میں
بیل گاڑی کا مزہ آنے لگا ہے کار میں
کیوں اسے لے جا رہے ہو تم ابھی سے ہسپتال
جان بچنے کی ابھی امید ہے بیمار میں
سارے دھندوں میں تو اب گھاٹا ہی گھاٹا ہے یہاں
کچھ منافع ہے تو بس اغوا کے کاروبار میں

اسی طرح انھوں نے اپنے دلی جذبات، خیالات، احساسات اور محسوسات کو انھوں نے اپنی نظم ''مسئلہ'' میں بھی بیان کیا ہے۔ دینا میں ہو رہی تبدیلی اور اس کی آہٹ کو وہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور قارئین و سامعین کو بھی دکھانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور سماج کو بیدار کرنے کی مستحسن کوشش کی ہے۔ اس نظم کے چند اشعار خاطر نشان ہوں:

عورتوں کے ہاتھ میں جب اقتدار آ جائے گا
گھر کے اندر قید پھر مردوں کو رکھا جائے گا

جانہیں سکتی کچن میں کوئی بھی خاتون اب
پاس ہوگا دیش میں ایسا ہی اک قانون اب
بیویوں کے آگے اپنا سر اٹھا سکتا نہیں
حکم ان پر اب کوئی شوہر چلا سکتا نہیں

زبیرالحسن غافلؔ نے غالبؔ اور فیضؔ کی کی زمین میں پیروڈی بھی لکھی ہے۔ فیضؔ کی نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' پر انھوں نے بڑی عمدہ پیروڈی تخلیق کی ہے۔ یہ پیروڈی بھی ان کی عمدہ شعری تخلیق کا حصّہ ہے۔ انھوں نے اپنے دلی جذبات واحساسات کو طنز ومزاح کے پیکر میں ڈھال کر فیضؔ کے مصرعہ ''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' میں بڑی کامیابی اور چابکدستی کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اس پیروڈی کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اے مری جانِ تمنا اے مری جانِ بہار
جب سے میکہ تیرا میرے لیے سسرال ہوا
کیا عجب بات ہوئی کیسی یہ کایا پلٹی
جیب پھولی تیرے ابا کی میں کنگال ہوا
فکر راشن کا لگا رہتا ہے تنہائی میں
کس طرح پیار کی باتیں کروں مہنگائی میں
مجھ سے پہلی سی محبّت مرے محبوب نہ مانگ

زبیرالحسن غافلؔ کی شعری کائنات میں دل کے درد و کرب، رنج وغم، اور دکھ و والم کی تصویر بھی نظر آتی ہے۔ جو انھوں نے اپنوں کی موت پر بیان کیا ہے۔ انھوں نے اپنی والدہ کے وفات پر، اپنے مرحوم بیٹے اشعرحسن (آشی) کی نذر اور اپنے بھتیجے 'رومی' بن ظفرالحسن کی یاد میں شخصی مرثیے تخلیق کیے ہیں۔ ان مراثی میں انھوں نے دل کو درد و کرب اور رنج وغم کو بڑی المنا کی اور غمنا کی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''اپنے مرحوم بیٹے اشعرحسن (آشی) کی نذر'' میں اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کیوں ہوئے اتنے بدگماں آشی؟

چھپ گئے مجھ سے تم کہاں آشی؟
جس کی لالچ میں چھوڑی یہ دنیا
کتنا پیارا ہے وہ جہاں آشی؟
کس کے سینے سے لگ کے سوتے ہو؟
کون دیتا ہے تھپکیاں آشی؟
تیرے جانے سے ہو گیا کتنا
سونا سونا تیرا مکان آشی
میری یادوں میں اب بھی تازہ ہے
تیری سانسوں کی گرمیاں آشی

اسی طرح شاعر نے اپنے دل کی المنا کی اور غمنا کی کا اظہار اپنے بھتیجے 'رومی بن ظفر الحسن کی یاد میں' کیا ہے۔ یہ دکھ درد اور رنج و غم ان کے اپنے ہیں۔ جس میں وہ ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ اس مرثیے کے درد انگیز اور فکر انگیز اشعار خاطر نشیں ہوں:

اے مرے نورِ نظر، لختِ جگر، جانِ پدر
کس لیے روٹھے ہو مجھ سے کیوں گئے گھر چھوڑ کر
ساتھ اپنے مختصر سی زندگی لائے تھے کیوں؟
اتنی جلدی تھی اگر جانے کی تو آئے تھے کیوں؟
جانے کس لالچ نے گھیرا کس نے بہکایا تمہیں
کس جہاں کی آرزو میں گھر نہیں بھایا تمہیں
چند لمحوں کی خوشی دے کر یوں بہلانا غضب
بے رخی دکھلا کے تیرا اس طرح جانا غضب
گونجتے تھے کل تمہارے قہقہوں سے بام و در
آج لیکن کس قدر خاموش ہے وہ تیرا گھر

زبیر الحسن غافل نے ہندوستانی تہوار اور ہندوستانی تہذیب و تمدن کو بھی اپنی شاعری کا

موضوع بنایا ہے۔انھوں نے ہولی کے رنگ و پھہار اور ہنسی، مذاق و مستی کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ اپنی نظم ''ہولی'' میں اپنے دلی جذبات و احساسات اور خیالات کا اظہار کا بڑے پُر کیف انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہے شرم کی لالہ کہ شفق پھوٹ رہی ہے
یا رنگ کی پچکاری کوئی چھوٹ رہی ہے
دانتوں کی قطاریں ہیں کہ موتی کی لڑی ہے
یا کھیر سے چاول کے کوئی پیالی بھری ہے
زلفوں میں چھپی آج جواں رات ہے پیارے
یہ تیرا بدن ہولی کی سوغات ہے پیارے

ان کے شعری مجموعہ ''اجنبی شہر'' میں فسادات کے حوالے سے بھی کافی نظمیں ملتی ہیں۔ جس میں انھوں نے اپنے دل کے درد و کرب اور رنج و غم کا اظہار بڑے درد انگیز اور فکر انگیز طریقے سے قارئین اور سامعین کے سامنے بیان کیا ہے۔ان کی تمام سنجیدہ نظمیہ شاعری قارئین اور سامعین کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ گجرات کے فسادات کا المناک منظر انھوں نے اپنی نظم میں بڑے ہی فنی لطافت اور خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ایک چھوٹے سے بچے کی ماں کے موت کے بعد اس سے لپٹ کر کھیلنے اور بچہ کا مری ہوئی ماں کی چھاتی کو چوسنے کی درد انگیز تصویر کو شاعر نے اپنی نظم ''گجرات کے حالیہ فساد سے متاثر ہو کر'' میں بڑی کامیابی اور ہنر مندی کے ساتھ بیانج کیا ہے۔اس نظم کے چند اشعار خاطر نشیں ہوں:

جل رہے تھے لیکن کھیلتا رہا بچہ
مردہ ماں کے سینے سے لگ کے سو گیا بچہ
رکھ دیا ہے یہ منظر کس نے میری آنکھوں میں
خون سے بھری چھاتی چوستا ہوا بچہ
آگ اور دھماکوں کے کھیل سے بہلتا ہے
آج کے زمانے کا آدمی ہوا بچہ

کھیلتا ہی رہتا ہے توڑتا ہی رہتا ہے
آدمی کھلونا ہے اور ہے خدا بچہ

اسی طرح فسادات حوالے سے ملک کی بدحالی اور پامالی کے منظر کو انھوں نے نظم ''اجنبی شہر'' میں بھی اپنے خیالات وتاثرات کا اظہار کیا ہے۔ وہ اپنے نظمیہ اشعار کے ذریعہ عصر حاضر کی تصویر کو بڑی عمدگی کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ''اجنبی شہر'' کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

دن جو ہوتا ہے نیا رات نئی ہوتی ہے
آج اس شہر مین ہر بات نئی ہوتی ہے
ہے زمیں بوس عمارت وشکستہ دیوار
جس طرف دیکھئے لاشوں کا لگا ہے انبار
چپ ہیں گودام تو خاموش ہے مل کی دھڑکن
بہن بیوہ ہوئیں خالی ہوئے ماں کے آغوش
اہرمن ناچ رہا ہے مگر یزداں خاموش
ہر طرف پھیلی فضاؤں میں ہے بارود کی بو
آج پانی سے بھی ارزاں ہوا انسان کا لہو
سر تو کٹتے ہیں مگر وقت نہیں کٹتا ہے
آج کیوں اجنبی یہ شہر مجھے لگتا ہے

ان کے قطعات بھی طنز ومزاح کی چاشنی میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو پڑھنے اور سننے والوں ذہنی سکون عطا کرتے ہیں۔ وہ سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں اور بے رحم سچائیوں پر سے نقاب اُٹھانے کی پُر زور کوشش کی ہے۔ جس میں وہ کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے ذریعہ لوگوں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چند قطعات خاطر نشیں ہوں:

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہوگئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی ننگا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے

شہر میں جھاڑو پھرا داڑھی میں ریزر پھر گیا

کہہ رہا تھا چور یہ کل ایک تھا تھانیدار سے

مجھ سے کچھ بچ کر ہی رہنا ہیں بُرے پھیرے مرے

ایک ہی دن میں تجھے سسپنڈ کروا سکتا ہوں

ہیں منسٹر جتنے وہ بھائی ہیں موسیرے میرے

کل بھری محفل میں یہ اک دل جلا کہنے لگا

آ بتاؤں تیل کیوں مہنگا ہے ہندوستان میں

کچھ تو چمچے لے گئے ہیں ان کی مالش کے لیے

اور باقی ڈال کر بیٹھے ہیں نیتا کان میں

زبیر الحسن غافل نے ماہیے بھی تخلیق کیے ہیں۔ جو ان کی ذہنی فکر و نظر کو پیش کرتا ہے۔انھوں نے اپنی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ ماہیے کی دنیا آباد کی ہے۔ان کے تمام ماہیے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

برگد کی چھاؤں میں

جھول گئی گوری

ساجن کی بانہوں میں

--- ---

یہ کھیل ہے سانسوں کا

جیون اک سپنا

یا جاگتی آنکھوں کا

مسجد کی اذانوں میں

وحدت کا نغمہ

زبیرالحسن غافلؔ نے اپنی تمام غزلیہ شاعری کے ذریعہ عوام کو صرف ہنسانے اور قہقہہ لگانے تک ہی محدود نہیں کیا ہے بلکہ اپنی تمام غزلیہ شاعری کے ذریعہ لوگوں کو غور وفکر کرنے کے لیے بھی مجبور کیا ہے۔انھوں نے زندگی میں ہو رہی نت نئی تبدیلی کی آہٹ کو محسوس کیا ہے اور انھیں نے اپنی فکریات وخیالات اور تجربات ومشاہدات کو شعری پیکر میں ڈھال کر ہمارے قارئین اور سامعین کے سامنے پیش کیا ہے۔جس میں زندگی ہے،توانائی،اسعت اور بلندی ہے۔جو ہمیں سلاتی نہیں ہے بلکہ جھنجھورتی بھی ہے اور بیدار بھی کرتی ہے۔غافلؔ کی غزلیہ شاعری کے چند اشعار خاطر نشیں ہوں:

قاتلوں کے شہر میں جائے گا وہ اس شان سے
خود ہی نیزے پہ سجا کے اپنا سر لے جائے گا

کچلا ہے اس وقت کو پہیوں نے اس طرح
آئینہ دیکھتے ہی اچانک وہ ڈر جائے گا

زرد پتّے بھی تھے رونقِ گلستاں
بادِصرصر انھیں کیوں اُڑا لے گئی

زمانہ کروٹ بدل رہا ہے مزاج بھی عاشقی کا بدلا
تیری جبیں کے شکن نہ بدلے نہ تیرے ابرو کے بل گئے

گھروں سے اپنے جو نکلے تھے صبح میں یارو
بہت ہی کم تھے جو ان میں سے لوٹ کر آئے

روند ڈالے نہ کہیں انسان اسے
آسمان کو اور کچھ اونچا کرو

مجھ کو مفلس مت سمجھئے پاس میرے کیا نہیں
درد کی دولت نہیں کہ غم کا سرمایہ نہیں

دیواروں پہ جب بھی کچھ لکھا نظر آتا ہے
ہر شخص یہاں یاروسہا نظر آتا ہے

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبیر الحسن غافل نے اپنے شعری آئینہ خانے میں زندگی کے نت نئے تجربات اور مشاہدات اور زندگی کی رنگارنگی کو شعری پیکر میں ڈھال کر بڑی خوش اسلوبی اور ہنرمندی کے ساتھ قارئین اور سامعین کے سامنے پیش کیا ہے۔ان کے شعری آئینہ خانے میں طنز و مزاح کی چاشنی اور سنجیدہ وفکر کی آمیزش بھی ہے۔مختصر یہ کہ ان کے تمام غزلیہ اور نظمیہ اشعار اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں معنویت واہمیت کے حامل ہیں۔

☆☆☆☆☆

اجنبی شہر: منتشر حالات کا کولاژ

ساحر داؤد نگری

ایڈیٹر ہفت روزہ صدائے انصاری دہلی

علامہ اقبال نے کہا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اردو شاعری کی ایک انتہا اقبال ہیں تو دوسری انتہا غالب۔ اقبال تاریخ کے حوالہ سے زمینی حقیقت کو سامنے لائے تو غالب کے اشعار مستقبل اور نئی دنیا کے حوالہ سے نظام حیات اور طرز معاشرت کا ایسا فلسفہ ثابت ہوئے کہ آج بھی غالب کے اشعار کی تفہیم آسان نہیں۔

منزل اک بلندی پر اور ہم بنا لیتے
عرش سے پرے ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

غالب اپنے شعری کائنات میں نئے نظام کے خواہاں تھے اور اس لیے انہیں کہنا پڑا۔

بقدر ذوق نہیں، ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

یہ کچھ اور چاہئے کا فلسفہ دراصل ادب کے لئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔یعنی صنف افسانہ ہو یا شاعری محض الفاظ کی بے سمت یلغار سے کام نہیں چلتا۔ یہاں غالب اور اقبال کا ذکر اس

لئے کیا گیا کہ زبیرالحسن غافل کے شعری مجموعے اجنبی شہر کا مطالعہ کرتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ غافل کی شاعری دراصل دو انتہاؤں کے درمیان ہے۔ایک طرف غافل اپنے حالات، سیاست، معاشرے میں آنے والی تبدیلیوں سے آگاہ ہیں تو دوسری جانب زمان ومکان کے فلسفہ کا تعاقب کرتے ہوئے وہ شعری بہاؤ میں قاری کو دور تک لے جاتے ہیں۔ایک طرف زمینی حقیقت اور دوسری طرف خوبصورت ترکیبوں، علامتوں، استعاروں کا برمحل استعمال ان کے شعری افق میں چار چاند لگا دیتا ہے۔وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ولی دکنی سے غالب اور غالب سے اقبال وفیض تک آتے آتے اردو شاعری ہزاروں روپ دھار چکی تھی۔گل وبلبل سے ہوتی ہوئی شاعری نے جب دھرتی، کسانوں اور انسانی مسائل سے رشتہ استوار کیا تو شاعری میں نئی شان، نئی دھج پیدا ہوگئی۔اور اسی لیے انیسویں صدی سے بیسویں صدی تک قدم رکھتے ہوئے اردو شاعری نے ہر طرح کے انقلابات کو نہ صرف صدا دی بلکہ اس نئے افق کو وا کیا جہاں سے احساسات اور فکر کی مدھم زیریں لہریں شامل ہوکر شاعری کو دوآتشہ بنا دیتی ہیں۔اور اسی لیے زبیرالحسن غافل نے غزلوں کے ساتھ ساتھ فکر کی جولانی کے لئے نظموں کا راستہ بھی اختیار کیا۔اقبال کا ایک شعر یاد کیجئے ؎

لڑکیاں پڑھ رہی ہے انگریزی
قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ

اقبال جب زندگی اور سیاسی حالات سے روبرو ہوتے ہیں تو سنجیدہ ظریفانہ شاعری کی طرف بھی قدم اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔اقبال کے کلام سے ظریفانہ شاعری کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔مشہور شاعر رضا نقوی واہی نے غافل کو سنجیدہ ظریفانہ شاعر کا ایک اہم نام قرار دیا ہے۔حضرت واہی نے غافل کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

''غافل کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت اطمینان سے اپنی بات شروع کرتے ہیں۔ان کے اسلوب میں کہیں بھی پھوہڑپن نہیں۔۔۔۔ایک سے ایک تلخ بات کہہ جاتے ہیں، جس کا اثر کافی دیرپا ہوتا ہے۔لیڈروں پر شاعروں نے خوب خوب قافیہ پیمائی کی ہے لیکن زبیرالحسن نے جو ''نسخۂ لیڈری'' پیش کیا ہے اس کا جواب تو خال خال ہی ملے گا۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چپکے چپکے انھوں نے

یہ نسخہ فراوانی سے تقسیم کر دیا ہے کیونکہ آج کے بیشتر لیڈر اسی نسخہ پر عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔نسخہ کے ساتھ جو پرہیز ہے وہ اس نسخہ کے لیے لازمی امر ہے۔جن لیڈروں نے اس پرہیز پر عمل نہیں کیا انھیں اس لائن میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔۔۔ہر شعر میں جو بے ساختگی ہے اس کی مثال اردو کی ظریفانہ شاعری میں کم ملتی ہے۔‘‘

سنجیدہ ظریفانہ شاعری کے کچھ رنگ ملاحظہ کیجئے ؎

مارا گیا فساد میں جب کوئی آدمی
گھر میں ہمارے کوئی نئی چیز آ گئی
جب بھی کسی نصیب کے مارے کا گھر جلا
دیوار و در پہ میرے نیا رنگ چڑھ گیا

مشورہ معقول تھا نیتا کے دل کو بھا گیا
اک اشارہ ان کا آخر اس مکاں کو ڈھا گیا
لوگ اب بنوا رہے ہیں اس جگہ قصرِ عظیم
لامکاں میں ہے مگر حیران وہ ربِّ کریم
کہہ رہا ہے کوئی مجھ کو آ کے سمجھائے ذرا
بن رہا ہے کس کا گھر کس کا مکاں توڑا گیا

مشہور نقاد حقانی القاسمی نے غافل کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

human heart سے نکلی ہوئی ایسی ہی شاعری کی آج کے عہد کو ضرورت ہے۔شاعر کی یہی نظری اثباتیت (positivitism) ہر تخلیق میں روشن ہے۔ان کے ہاں منفیت اور مجہولیت کا کوئی مقام نہیں۔وہ مجموعی انسانی صورت حال کو آفاقی بشری تناظر میں دیکھتے ہیں۔ان کے ذہن میں ’غیریت‘ یا اجنبیت‘ کی تاریک تہیں نہیں ہیں بلکہ بنی نوع انساں کی وحدت کا تصور کارفرما ہے۔یہی

وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں اپنائیت اور غیریت کا وہ حجاب نظر نہیں آتا جو عموماً مذہب سے مخصوص ذہنوں میں ہوتا ہے۔ وہ ہر خیر و شر میں نفس انسانی ذات کو شریک سمجھتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی انسانی واقعہ پر ان کا ردعمل غیر انسانی نہیں ہوتا۔ وہ خود کو بحیثیت فرد بشر اس واقعہ/حادثہ کا مجرم تصور کرتے ہیں۔ یا پھر غلط نظام کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ ان کا تخاطب یا ان کا مکالمہ اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ انسانی کلیت میں وہ خود بھی شریک ہیں، اس لیے مجموعی انسانی صورت حال کی خرابی یا بہتری سے خود کو الگ نہیں جانتے۔ یہی اجتماعی تصور اور یہی اجتماعی وژن ہے۔ جو ان کی تخلیق کی تہہ میں موجود ہے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمارے درمیان کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں نام و نمود اور شہرت گوارہ نہیں۔ وہ بے نیاز ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ یہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے بے نیاز، ادب کی خدمت کرنے والے شخص کو سامنے لایا جائے۔ یہ شاعری کا نیا لہجہ نہ سہی، لیکن سینکڑوں اشعار ہیں جو قاری کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

کس کو سچ مانئے، جھوٹ کہئے کسے
کوئی راوی نہیں معتبر ان دنوں
گرچہ اس سے کوئی اب تعلق نہیں
پھر کسے ڈھونڈتی ہے نظر ان دنوں

☆☆

ہم حق کی حمایت پہ تو آمادہ ہیں لیکن
نیزوں پہ لٹکتے ہوئے سر دیکھ کے چپ ہیں
پروازی کرگس سے ہیں افسردہ نہیں ہم
شاہین کے سمٹے ہوئے پر دیکھ کے چپ ہیں

☆☆

بے وجہ بھی ان آنکھوں میں آجاتے ہیں آنسو

کیوں آپ مرادیدۂ تر دیکھ کے چپ ہیں

☆☆

آسماں تیرے ستاروں کا خدا ہی حافظ

آہ نکلی ہے مرے قلب سے طوفاں ہو کر

☆☆

اس خواب گہہ ناز سے گزری ہے یقیناً

بہکی ہوئی رفتار صبا دیکھ رہا ہوں

ہے لب پہ ہنسی اور ہے خنجر تہہ داماں

بدلی ہوئی قاتل کی ادا دیکھ رہا ہوں

ہزاروں اشعار۔ کس کس کا ذکر کیجیے۔ حق کی حمایت پر آمادہ لوگ نیزوں پر لٹکے ہوئے سر دیکھنے کے بعد بھی خاموش ہیں ۔ہم کیسی دنیا میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں؟ یہ دنیا جہاں کرگسوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور شاہین کے پر سمٹ رہے ہیں ۔اپنے اپنے دامن میں خنجر چھپائے قاتل گھوم رہے ہیں۔ سیاست اور سماج کے یہ وہ مناظر ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وقت کے ساتھ موسم کی آندھیاں تیز ہیں۔ غافل انہی حالات سے گزرتے ہوئے نئی شاعری کے گواہ بن جاتے ہیں۔ سیاست اور سماج کے یہ منتشر کولاژ غافل کی شاعری کو نیا افق دینے میں کامیاب ہیں۔ یہ آج کی شاعری ہے جو خوفناک حالت اور سیاست کے بطن سے پیدا ہوئی ہے۔ مختصر میں کہا جائے تو اجنبی شہر، غافل کی شاعری کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کی گونج مدتوں باقی رہے گی۔

☆☆☆

اجنبی شہر کا بے باک شاعر زبیرالحسن غافل

ڈاکٹر واثق الخیر

''آج کیوں اجنبی یہ شہر مجھے لگتا ہے'' زبیرالحسن غافل کے شعر کا یہ مصرعہ ان کی پوری شاعری کا نچوڑ ہے۔ وہ اپنی شاعری کو صرف لطف اندوزی کا حصہ نہیں بنا دینا چاہتے ہیں بلکہ وہ اپنی شاعری کے ذریعہ قوم وملت اور سماج کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں درد ہے، احساس ہے، غم ہے، غصہ ہے، سوال ہے، ان سب کے باوجود وہ صرف اپنی شاعری کو اسی فکر میں قید نہیں کرنا چاہتے ہیں بلکی اپنی شاعری میں طنز ومزاح کو پہلو کو بھی ساتھ ساتھ میں لے کر چلتے ہیں اور ایک اچھی شاعری کی تمام خوبیوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔

ایک سچا شاعر نہ صرف دنیا پر نظر رکھتا ہے بلکہ اس کی پہلی نظر اپنی ذات پر پڑتی ہے، وہ اپنی ذات کو پڑھنے کے ساتھ اپنے گردوپیش کا مطالعہ کرتا ہے، سماجی اور سیاسی حالات کا جائزہ لیتا ہے، انسان اور انسان کی جبلتوں کا باریک بینی سے مطالعہ کرتا ہے، اور سماج ومعاشرے میں در آنے والی تبدیلیوں کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے اس کا غیر جانب دارانہ جائزہ پیش کرتا ہے- انسانی دل سے نکلی ہوئی ایسی ہی شاعری آج کے عہد میں بہت ضروری ہے۔ شاعر کی یہی خوبی ہر تخلیق میں روشن ہے۔ ان کی شاعری میں صاف گوئی ہے۔ وہ مایوسی کی طرف نہیں لے جاتے ہیں بلکہ ان کی شاعری میں لوگوں کے اندر جوش و ولولہ پیدا کرنے کی سکت ہے۔ وہ مجموعی انسانی صورت حال کو آفاقی بشری تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کے دل ودماغ میں اجنبیت کی تاریکی نہیں ہے بلکہ بنی نوع انساں کی وحدت کا تصور ہے۔ وہ وحدت جو ایک دوسرے کو آپس میں پروئے

ہوئے رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں اپنائیت اور غیریت کا وہ حجاب نظر نہیں آتا جو عموماً سماج میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ ہر خیر وشر میں نفس انسانی کو شریک سمجھتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی انسانی واقعہ پر ان کا ردعمل غیر انسانی نہیں ہوتا بلکہ فطری ہوتا ہے۔ وہ خود کو بحیثیت فرد اس واقعہ کا مجرم تصور کرتے ہیں۔ اور پھر روایتی سماجی نظام کو مورد ِالزام ٹھہراتے ہیں۔ ان کا تخاطب یا ان کا مکالمہ بظاہر اپنی ذات سے ہوتا ہے لیکن وہ پورے سماج کو اس کا ذمہ دار مانتے ہیں۔ یہی اجتماعی تصور اور یہی اجتماعی وژن ہے۔ جو ان کی تخلیق کی تہہ میں موجود ہے۔

زبیرالحسن غافلؔ کو طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر وشاعری کا ذوق وشوق رہا ہے۔ شعر وشاعری ان کو وراثت میں ملی تھی۔ ان کے اباء واجداد میں شعر وشاعری کا ماحول سرگرم تھا۔ ان کے نانا فرزند علیؔ اردو اور فارسی میں ظریفانہ شاعری کرتے تھے۔ زبیرالحسن کی پیدائش ۲۷ جنوری ۱۹۴۴ میں ایک متوسط زمیندار گھرانے میں ہوئی۔ ۱۹۶۴ء میں بی۔ ایس۔ سی کرنے کے بعد والد کے حکم سے شعبۂ قانون میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۶۸ میں بی۔ ایل کرنے کے بعد ۱۹۶۹ میں سول کورٹ ارریا میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۷۵ میں منصف کے مقابلہ جاتی امتحان میں شریک ہوئے اور ان کو کامیابی نصیب ہوئی۔ جس بعد وہ بہار کے مختلف ضلع میں بطور منصف کے عہدے پر فائز رہے۔ جنوری ۲۰۰۴ میں بہار کے مظفر پور سے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ ان کے والد جناب ظہورالحسن صاحب شاعر تھے اور حسن تخلص رکھتے تھے۔

اپنے چاہنے والوں کے اصرار پر انھوں نے اپنا شعری مجموعہ ''اجنبی شہر'' ۲۰۰۷ء میں شائع کرایا۔ جس کی ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی ہوئی۔ اس شعری مجموعہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس مجموعہ کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ میں شاعر نے غزلیں، نظمیں، قطعات اور ماہیوں کو شامل کیا ہے۔ زبیرالحسن کے اس شعری مجموعہ میں سیاسی، سماجی اور ہندوستانی تہذیب وثقافت کا شعور روشن ومنور ہے۔ شاعر بڑی صاف گوئی سے اور بے باکی کے ساتھ اپنی شاعری کے ابتدائی دور کے سلسلے میں اپنے خیالات وتاثرات کا اظہار کرتے ہوئے اس کتاب میں رقمطراز ہیں:۔

''اس طرح میرے اندر شاعری، وکالت کے جراثیم وراثتاً منتقل ہوئے لیکن میں

نہ تو کامیاب شاعر بن سکا اور نہ میں ایک کامیاب وکیل۔ ویسے میرے دوستوں و کرم فرماؤں کی بیجا تعریف نے مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ میں اچھے اشعار کہہ سکتا ہوں لیکن اس غلط فہمی کے باوجود میں کبھی اپنی بے تکی غزلیں و نظمیں کسی معیاری رسالہ میں اشاعت کی غرض سے بھیجنے کی ہمت نہ کر سکا۔ میری پہلی نظم جو کسی رسالہ میں شائع ہوئی وہ ''اجنبی شہر'' تھی۔ جب وہ نظم میں نے پہلی بار اررریا کے ایک مقامی مشاعرے میں پڑھی تھی، جس کی صدارت اس وقت اررریا کے سول ایس۔ڈی۔او (جن کا نام مجھے ابھی یاد نہیں) کر رہے تھے۔ سامعین نے میری کافی ہمت افزائی کی۔ ایس۔ڈی۔او صاحب کو بھی وہ نظم پسند آئی اور انھوں نے مجھ سے وہ نظم لے کر ماہنامہ ''پاسبان'' کو بغرض اشاعت بھیج دی اور اتفاق سے شائع بھی ہو گئی۔ اس کے بعد تو مقامی شاعروں کے درمیان مجھے استاد سخن سمجھا جانے لگا۔''

(اجنبی شہر:ص ۱۱)

زبیر الحسن غافل کا شمار اردو کے کلاسک شعرا میں کیا جا سکتا ہے۔ان کے ذہن میں بھی کلاسیکی شعرا کی طرح جنون اور دیوانگی کی کیفیت نظر آتی ہے۔ دل کے درد و کرب، رنج و غم اور دکھ و الم کا اظہار ان کی ظریفانہ شاعری میں جا بجا نظر آتا ہے۔ جہاں قارئین کو نشاط کی کیفیت ملتی ہے وہیں درد و کرب بھی ملتا ہے۔ یہی ایک شاعر کا اصل جوہر ہے۔ انھوں نے سماج میں اپنی کھلی آنکھوں سے جو دیکھا ہے، محسوس کیا ہے اور برتا ہے، اس کو انھوں نے اپنی شاعری میں بڑے ہی فنی لطافت کے ساتھ طنز و مزاح کو چاشنی میں گھول کر ہمارے قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ زبیر الحسن غافل حساس دل کے مالک ہیں۔ وہ سماجی مسائل کو طنز و مزاح کی چاشنی میں برتنے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔ غافل کی شاعری پر اپنے پُر مغز اور معنی خیز خیالات و تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے حقانی القاسمی نے فرمایا ہے:

''زبیر الحسن غافل کی شاعری میں 'نشاطِ کرب' کی بھی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ دراصل یہی نشاطِ غم ہے جو زندگی کا اصل فلسفہ ہے اور اسی فلسفہ سے انسانی زندگی

میں امیداور رجا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔تمام تر خطرات کے باوجود امید ورجا کا شاعر زندگی کو نہایت آزادروی کے ساتھ گزار دیتا ہے۔دیکھا جائے تو کلاسیکی شاعروں کی طرح غافلؔ میں بھی ایک جنون اور دیوانگی کی کیفیت ہے اور اسی مقدس دیوانگی میں ان کی زندگی کے زاویے اور حیات وکائنات کے نظریے کو اثباتی رنگ عطا کیا ہے۔حیات وکائنات کے تضادات میں انھوں نے جو اُفق تلاش کیا ہے، وہ توافق ان کے اندرون اور ذہنی وفکری صحت مندی کا اشاریہ ہے۔''

(اجنبی شہر:ص ۳۱)

زبیرالحسن غافلؔ طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے ساتھ ساتھ سنجیدہ شاعری بھی بڑی ہنرمندی اور کامیابی کے ساتھ کرتے ہیں۔ان کے مجموعہ کلام ''اجنبی شہر میں ''چارہ گر''، ''رشوت''، ''بہار کی موجودہ حالت''، ترک شاعری''، ''اینٹی شوہر کانفرنس''، ''ایک لیڈر سے انٹرویو''، ''مسئلہ''، ''یوم اردو''، ''صاحبِ دیوان''، ''نیا الیکشن''، منصف صاحب''، ''روزگار''، ''نسخہ لیڈری، ''شاعر''، ''لیڈر''، ''پروفیسر''، ''جشنِ جمہور''اور''ہولی'' وغیرہ طنز ومزاح کی عمدہ مثالیں ہیں۔غافلؔ حساس دل کے مالک ہیں۔سماج ومعاشرے میں پھیلی بے حیائی وعریانیت، ظلم وجبر، انارکی،خود غرضی، بے مروتی، قتل وغارت گری، بیوفائی اور تہذیبی قدروں کی زبوں حالی کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے بعد شاعر مجبور ہوا کہ اپنے مشاہدات ومحسوسات اور باطنی کرب کو قلم بند کرے۔ وہ سماجی اور عوامی مسائل کو طنز ومزاح کی چاشنی میں برتنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔وہ اپنی مہذب ظریفانہ اور مزاحیہ شاعری کے ذریعہ قارئین اور سامعین کو صرف ہنسنے اور ہنسانے کا ہی کام نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ قارئین اور سامعین کو بہت کچھ سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کے لیے مجبور کرتے ہیں اور وہ لوگوں کی آنکھوں سے پردہ اُٹھاتے ہیں تاکہ قارئین اور سامعین اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھ سکیں۔شاعر نے نظم ''چارہ گر'' میں بہار صوبہ کے چارہ گھوٹالے کی حقیقی اور سچی تصویر کو بڑی بے باکی سے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔نظم ''چارہ گر'' کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

یہ مویشی کے مسیحا یہ طبیب جانور

کھا گئے چارہ انھیں کا جن کے تھے یہ چارہ گر
زور سے اپنے قلم کے پہلے پھیلائی وبا
پھر چکستا کے لیے مانگی حکومت سے دوا
جو دوائیں دی گئی تھیں جانور کے واسطے
ان کو بھی بازار میں یہ بیچ کر سب کھا گئے
پھر وبا مین مر گئے سارے کے سارے جانور
جن کو باٹنا تھا انھوں نے پہلے فرضی نام پر
ان غریبوں کو نیا اک جانور پھر سے ملے
اس لیے موٹی رقم بھیجی انھیں سرکار نے
پھر وہی ترکیب پہلے کی سی دہرائی گئی
یعنی فرضی نام پر ساری رقم کھائی گئی
پھر سروں پہ رکھے ان کے چند نیتاؤں نے ہاتھ
یوں طویلے میں بندھے خچر بھی اب گھوڑوں کے ساتھ
رات بھر میں سارا چارا ان کی سازش چر گئی
جو طویلے کی بلا تھی بندروں کے سر گئی
پھر تو کچھ ہی سال میں وارے نیارے ہو گئے
گائیں بھینسیں اور گھوڑے سب بیچارے ہو گئے

زبیرالحسن غافلؔ کی شاعری اپنے عہد اور علاقے کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ بڑی سے بڑی بات کو طنز و مزاح کے پیکر میں بڑی خوش اسلوبی اور فنّی لطافت کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بہار صوبہ کی موجودہ صورتِ حال کو انھوں نے اپنی نظم ''بہار کی موجودہ حالت'' میں بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ایسی حالت ہو گئی سڑکوں کی اس سرکار میں
بیل گاڑی کا مزہ آنے لگا ہے کار میں

کیوں اسے لے جا رہے ہو تم ابھی سے ہسپتال
جان بچنے کی ابھی امید ہے بیمار میں
سارے دھندوں میں تو اب گھاٹا ہی گھاٹا ہے یہاں
کچھ منافع ہے تو بس اغوا کے کاروبار میں

زبیر الحسن غافل نے غالب اور فیض کی کی زمین میں پیروڈی بھی لکھی ہے۔فیض کی نظم ''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' پر انھوں نے بڑی عمدہ پیروڈی تخلیق کی ہے۔ یہ پیروڈی بھی ان کی عمدہ شعری تخلیق کا حصہ ہے۔انھوں نے اپنے دلی جذبات واحساسات کو طنز و مزاح کے پیکر میں ڈھال کر فیض کے مصرعہ ''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' میں بڑی کامیابی اور چابکدستی کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔اس پیروڈی کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اے مری جانِ تمنا اے مری جانِ بہار
جب سے میکہ تیرا میرے لیے سسرال ہوا
کیا عجب بات ہوئی کیسی یہ کایا پلٹی
جیب پھولی تیرے ابا کی میں کنگال ہوا
فکر راشن کا لگا رہتا ہے تنہائی میں
کس طرح پیار کی باتیں کروں مہنگائی میں
مجھ سے پہلی سی محبّت مرے محبوب نہ مانگ

زبیر الحسن غافل کی شعری کائنات میں دل کے درد و کرب ،رنج وغم ،اور دکھ و والم کی تصویر بھی نظر آتی ہے۔انھوں نے اپنی والدہ کے وفات پر،اپنے مرحوم بیٹے اشعرحسن (آشی) کی نذر اور اپنے بھتیجے 'رومی' کی یاد میں شخصی مرثیے تخلیق کیے ہیں۔ان مراثی میں انھوں نے دل کو درد و کرب اور رنج وغم کو بڑی المناکی اور غمناکی کے ساتھ بیان کیا ہے۔''اپنے مرحوم بیٹے اشعرحسن (آشی) کی نذر'' میں اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کیوں ہوئے اتنے بدگماں آشی؟

چھپ گئے مجھ سے تم کہاں آشی؟
جس کی لالچ میں چھوڑی یہ دنیا
کتنا پیارا ہے وہ جہاں آشی؟
کس کے سینے سے لگ کے سوتے ہو؟
کون دیتا ہے تھپکیاں آشی؟
تیرے جانے سے ہوگیا کتنا
سونا سونا تیرا مکان آشی
میری یادوں میں اب بھی تازہ ہے
تیری سانسوں کی گرمیاں آشی

زبیرالحسن غافل نے ہندوستانی تہوار اور ہندوستانی تہذیب وتمدن کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔انھوں نے ہولی کے رنگ وپھہار اور ہنسی، مذاق ومستی کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ اپنی نظم ''ہولی'' میں اپنے دلی جذبات واحساسات اور خیالات کا اظہار کا بڑے پُر کیف انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہے شرم کی لالہ کہ شفق پھوٹ رہی ہے
یا رنگ کی پچکاری کوئی چھوٹ رہی ہے
دانتوں کی قطاریں ہیں کہ موتی کی لڑی ہے
یا کھیر سے چاول کے کوئی پیالی بھری ہے
زلفوں میں چھپی آج جواں رات ہے پیارے
یہ تیرا بدن ہولی کی سوغات ہے پیارے

ان کا شعری مجموعہ ''اجنبی شہر'' میں فسادات کے حوالے سے بھی کافی نظمیں ملتی ہیں۔ جس میں انھوں نے اپنے دل کے درد وکرب اور رنج وغم کا اظہار بڑے درد انگیز اور فکر انگیز طریقے سے قارئین اور سامعین کے سامنے بیان کیا ہے۔ان کی تمام سنجیدہ نظمیہ شاعری قارئین اور سامعین کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ گجرات کے فسادات کا المناک منظر انھوں نے اپنی نظم میں بڑے ہی

فنی لطافت اورخوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ایک چھوٹے سے بچے کی ماں کے موت کے بعداس سے لپٹ کرکھیلنے اور بچہ کا مری ہوئی ماں کی چھاتی کو چوسنے کی دردانگیز تصویرکوشاعر نے اپنی نظم ''گجرات کے حالیہ فساد سے متاثر ہوکر'' میں بڑی کامیابی اور ہنرمندی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس نظم کے چنداشعارملاحظہ ہوں:

جل رہے تھےلیکن کھیلتا رہا بچہ
مردہ ماں کے سینے سے لگ کے سوگیا بچہ
رکھ دیا ہے یہ منظرکس نے میری آنکھوں میں
خون سے بھری چھاتی چوستا ہوا بچہ
آگ اور دھماکوں کے کھیل سے بہلتا ہے
آج کے زمانے کا آدمی ہوا بچہ
کھیلتا ہی رہتا ہے توڑتا ہی رہتا ہے
آدمی کھلونا ہےاور ہے خدا بچہ

زبیرالحسن غافل نے قطعات بھی کہے ہیں۔ان کے قطعات بھی طنزومزاح کی چاشنی میں ڈوبے ہوئےنظر آتے ہیں۔ جو پڑھنے اور سننے والوں کو ذہنی سکون عطا کرتے ہیں۔ وہ اپنے قطعات کے ذریعہ بھی سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں اور بے رحم سچائیوں پر سے نقاب اُٹھانے کی پُر زورکوشش کرتے ہیں۔جس میں وہ کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ چندقطعات خاطرنشیں ہوں:

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کےممبرہوگئیز
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی ننگا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے
شہرمیں جھاڑوپھرادا ڑھی میں ریزر پھر گیا

زبیرالحسن غافل نے ماہیہ بھی تخلیق کیے ہیں۔ جو ان کی ذہنی فکرونظر کو پیش کرتا ہے۔انھوں نے اپنی زندگی کے تجربات اورمشاہدات کے ذریعہ ماہیہ کی دنیا آباد کی ہے۔ان کے تمام ماہیےلوگوں کوغوروفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ان کا یہ شعرملاحظہ فرمائیں:

یہ کھیل ہے سانسوں کا
جیون اک سپنا
یا جاگتی آنکھوں کا

زبیر الحسن غافل نے اپنی تمام غزلیہ شاعری کے ذریعہ عوام کو صرف قہقہہ لگانے تک ہی محدود نہیں کیا ہے بلکہ اپنی تمام غزلیہ شاعری کے ذریعہ لوگوں کو غور وفکر کرنے کے لیے بھی مجبور کیا ہے۔ انھوں نے زندگی میں ہو رہی نت نئی تبدیلی کی آہٹ کو محسوس کیا ہے اور انھوں نے اپنی فکریات وخیالات اور تجربات ومشاہدات کو شعری پیکر میں ڈھال کر قارئین اور سامعین کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس میں زندگی ہے، توانائی، وسعت اور بلندی ہے، جو ہمیں بیدار کرتی ہے۔

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبیر الحسن غافل کی شاعری کا مطالعہ ومحاسبہ اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ ان کی شاعری میں درد وکرب، رنج والم اور دل کی المنا کی کا اظہار بے باکی سے کیا ہے۔ وہ چاہے اپنوں کے بچھڑنے کا غم ہو یا دنیا کی بے ڈھنگی چال کا مرثیہ۔ فسادات کے تذکرے ہوں یا انسانی دکھ درد کا المیہ۔ انہوں نے اپنے شعری آئینہ خانے میں زندگی کے نت نئے تجربات اور مشاہدات اور زندگی کی رنگا رنگی کو شعری پیکر میں ڈھال کر بڑی خوش اسلوبی اور ہنرمندی کے ساتھ قارئین اور سامعین کے سامنے پیش کیا ہے۔ انہوں نے شعری لطافت اور حسن سخن کا لحاظ ضرور رکھا ہے۔ ان کی شاعری میں حقیقت نگاری کے ساتھ غور وفکر کی دعوت بھی ملتی ہے۔ تجربات اور مشاہدات کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ خوبصورت شاعری کی جھلکیاں بھی جا بہ جا دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مضامین کی تازہ کاری کا احساس بھی ہوتا ہے۔ سوز وگداز اور سادگی وپُرکاری کے نقوش بھی عکس ریز ہیں۔

☆☆☆

عوامی شاعر۔۔۔۔زبیرالحسن غافل

سمیع الدین خلیق
اسسٹنٹ پروفیسر،تلکا مانجھی یونیورسٹی، بھاگل پور

عوامی شاعر زبیرالحسن غافل کچھ عرصہ قبل ایک جج کے عہدے سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ان کے تعلیمی سفر میں اردو کہیں نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے ذاتی ذوق وشوق کی بنیاد پر زمانہ طالب علمی سے ہی اردو زبان میں کچھ اشعار وغیرہ لکھ لیا کرتے تھے۔ملازمت کے دوران چونکہ ان کا واسطہ لوگوں کے زندگی کے مسائل سے رہا ہے۔ایسی حالت میں انہوں نے زندگی کو قریب سے سمجھا۔ان کا شوق شعروشاعری کرنا ہی تھا اس لیے انہوں نے زندگی کو شاعری کے قلب میں اتارنا شروع کردیا۔لیکن انہوں نے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا کہ اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں کو ٹھیس نہ پہنچائیں اسی لیے انہوں نے اپنی شاعری میں شوخی کا مزاح بھی شامل کیا۔ان کی شاعری کو پڑھنے سے لگتا ہے کہ ان کے مزاج میں شوخی ہے۔وہ خوش اخلاق ہیں،شاید یہ ان کو ورثہ میں ملا ہے۔ان کی پوری شاعری عوامی مسائل کے اردگرد ہی گھومتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اسی لیے انہیں عوامی شاعر کہنا غلط نہ ہوگا۔جس طرح نظیر اکبرآبادی کی شاعری میں عوامی مسائل ملتے ہیں اسی طرح ان کے اشعار میں بھی علاقائی اورعوامی مسائل ملتے ہیں۔

جہاں تک شعری اصناف کا تعلق ہے تو غافل غزلیں، نظمیں،قطعات اور ماہیے سب لکھتے ہیں۔وہ ان کی تشکیل وتخلیق میں مہارت بھی رکھتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ ظریفانہ شاعری کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں لیکن سنجیدہ شاعری سے بھی انہیں گریز نہیں۔ظریفانہ شاعری میں بھی انہوں نے

فن شاعری کا پورا پورا الحاظ رکھا ہے۔شعر کی صحت اور شعریت کا پاس رکھا ہے۔دلکشی اور شگفتگی کا بھی خیال رکھا ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

آج نکلا ہے حوصلہ دل کا
لے لیا بوسہ پائے قاتل کا
دیکھ کر میری رفعت پرواز
منہ ہوا زرد ماہ کامل کا
ایسی حالت ہوگئی سڑکوں کی اس سرکا میں
بیل گاڑی کا مزہ آنے لگا ہے کار میں
کیوں اسے لے جا رہے ہو تم ابھی سے ہسپتال
جان بچنے کی ابھی امید ہے بیمار میں
سارے دھندوں میں تو اب گھاٹا ہی گھاٹا ہے یہاں
کچھ منافع ہے تو بس اغوا کے کاروبار میں

زبیر الحسن غافل کی ظریفانہ شاعری میں طنز بھی ہے اور مزاح بھی۔اس میں لطف بھی ہے اور نشتریت بھی۔زبیر الحسن غافل کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری اپنے عہد کی ترجمانی کرتی ہے۔وہ بڑی سے بڑی بات کو طنز و مزاح کے پیکر میں بڑی خوش اسلوبی اور فنی لطافت کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور اپنے دلی جذبات و احساسات ،خیالات و محسوسات کو اپنی نظموں میں بیان کرتے ہیں۔''ان کے اسلوب میں کہیں پھوہڑ پن نہیں۔ایک سے ایک تلخ بات کہہ جاتے ہیں جس کا اثر کافی دیرپا ہوتا ہے۔حساس دل کے مالک ہیں وہ عصری مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنے طنزیہ انداز اور مزاحیہ شاعری کو ظریفانہ اسلوب میں پیش کر کے نہایت ہی اہم مسئلہ کو پیش کرنے کا مجاز رکھتے ہیں۔ان کی مہذب مزاحیہ شاعری میں ظرافت کی ساری خوبیاں موجود ہیں ۔وہ پردہ زدہ معاملات و مسائل سے پردہ اٹھانے کا کام بھی کرتے ہیں۔سیاسی واقعات اور چارہ گھوٹالے جیسے واقعات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ملاحظ فرمائیں:

یہ مویشی کے مسیحا یہ طبیبِ جانور

کھا گئے چارہ انہیں کا جن کے تھے یہ چارہ گر
زور سے اپنے قلم کے پہلے پھیلائی وبا
پھر چکستا کے لئے مانگی حکومت سے دوا
جو دوائیں دی گئی تھیں جانور کے واسطے
ان کو بھی بازار میں یہ بیچ کر سب کھا گئے
پھر وبا میں مر گئے سارے کے سارے جانور
جن کو بانٹا تھا انہوں نے پہلے فرضی نام پر
ان غریبوں کو نیا اک جانور پھر سے ملے
اس لئے موٹی رقم بھیجی انہیں سرکار نے
پھر وہی ترکیب پہلے کی سی دہرائی گئی
یعنی فرضی نام پر ساری رقم کھائی گئی

زبیر الحسن غافل کی شاعری کا مطالعہ ومحاسبہ اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ ان کی شاعری میں دردو کرب، رنج والم اور دل کی المنا کی کا اظہار بے باکی سے کیا ہے۔ وہ چاہے اپنوں کے بچھڑنے کا غم ہو یا دنیا کی بے ڈھنگی چال کا مرثیہ۔ فسادات کے تذکرے ہوں یا انسانی دکھ درد کا المیہ۔ ان سب کے باوجود انہوں نے شعری لطافت اور حسن سخن کا لحاظ ضرور رکھا ہے۔ جو کچھ بھی لکھا ہے سنبھل سنبھل کے لکھا ہے۔ ان کی شاعری میں حقیقت نگاری کے ساتھ غور وفکر کی دعوت بھی ملتی ہے۔ تجربات اور مشاہدات کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ خوبصورت شاعری کی جھلکیاں بھی جا بہ جا دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مضامین کی تازہ کاری کا احساس بھی ہوتا ہے۔ سوز وگداز اور سادگی و پرکاری کے نقوش بھی عکس ریز ہیں۔ ان کی غزلوں کے اشعار میں جو رچا ہوا غم، گھائل زخموں کی ٹیسیں، ذہنی خلش اور کسک زیر تخلیق آئی ہیں ان کا تاثر اور تیور قابلِ داد ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بے وجہ بھی ان آنکھوں میں آجاتے ہیں آنسو
کیوں آپ مرا دیدۂ تر دیکھ کے چپ ہیں
ہم حق کی حمایت پہ تو آمادہ ہیں لیکن

نیزوں پہ لٹکتے ہوئے سر دیکھ کے چپ ہیں
شرم آنکھوں سے رخ سے حیا لے گئی
جانے تہذیب نو اور کیا لے گئی
اب بچا ہی ہے کیا آشیاں میں مرے
چند تنکے تھے وہ بھی ہوا لے گئی

زبیر الحسن غافل نے اپنے احساسات کو بڑی خوب صورتی اور ہنر مندی کے ساتھ رقم کیا ہے- یہ وہ احساسات ہیں جو انسانی دنیا کی حقائق ہیں، جس کو محسوس کر کے حساس طبیعت شاعر بے چین ہو جاتا ہے، اور اس کا باطن اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس بے ترتیب زندگی کے خلاف آواز بلند کرے- دراصل یہ انسانی فطرت اور نفسیاتی معاملہ بھی ہے، ماہرین نفسیات جانتے ہیں کہ انسانی نفسیات کس طرح سماجی اتھل پتھل سے بیدار ہوتی ہے، جو لوگ اپنے اس انسانی اور فطری عمل کو دبا کر رکھتے ہیں اور سماج و معاشرے میں روز بروز پروان چڑھ رہے غیر فطری رویہ کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کرتے گویا وہ انسانی اور طبعی میلانات کو کچل دیتے ہیں جو کہ فطرت کے عین خلاف ہے- انسانی فطرت یہ نہیں ہے کہ ہر سرد وگرم کو گوارا کر لیا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کے احساس کا اظہار بھی کرایا جائے- انسانی سوچ جب تک فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہوگی تب تک انسان مسائل ومشکلات سے دوچار ہوتا رہے گا- ضروری ہے کہ انسان اپنے احساس کو زندہ کرے کیونکہ جب یہ حس مر جاتی ہے تو پھر انسان ایک لاشہ کی مانند ہو جاتا ہے، پھر سرد وگرم کا اس بے حس انسان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا- اور پھر وہ اپنے موافق اور ناموافق ہر طرح کے حالات کو گوارا کرتا چلا جاتا ہے- اور یہی انسان کی طبعی موت ہے- احساس ہی انسان کو زبان عطا کرتا ہے، ایک شاعر اسی احساس کے سہارے اپنی باطنی کیفیات کو قلم بند کرتا ہے- احساس انسان کا زیور ہے، احساس نہ ہو تو زندہ اور مردہ میں کیا فرق ہے؟ احساس ہی نہ ہو تو ایک بے حس انسان اور ایک حساس انسان میں آپ کیسے تمیز کریں گے؟ زندگی کی ایک سچی اور بڑی حقیقت احساس ذات و کائنات ہے- اور یہی ایک شاعر اور ادیب کا جوہر ہے- سائنس اور ٹیکنالوجی خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائیں لیکن ہماری شاندار ماضی کی یادوں پر خاک نہیں ڈال سکتیں، آج کے اس گلوبلائز دنیا میں بھی ہر انسان کا

ماضی اس کے سامنے ہے، وہ اپنے ماضی کے لوٹنے کا آرزومند ہے، وہ اپنے ماضی میں پھر سے جینا چاہتا ہے اور ہر انسان اپنے ماضی کو اتنا ہی شدت سے یاد کرتا ہے جتنا اس کا ماضی روشن اور تابناک تھا- بلکہ زمانہ ہمیشہ سے گردش میں ہے اور یہ بعید نہیں کہ دنیا اپنی خرابی حالات کے بعد اپنے ماضی کی روایات پر لوٹ آئے چونکہ سائنس انسان کی صرف وقتی ضرورت ہے دائمی نہیں- اور سائنس کے ذریعہ وجود میں آنے والی اختراعات وایجادات فطرت کا تقاضا ہیں عین فطرت نہیں- دراصل مادیت نے انسان کو اپنی فطرت اور اصلیت سے کوسوں دور کر دیا ہے، جب کہ مادہ انسان کی صرف ضرورت ہے، کل نہیں ہے، جس طرح ایک شاعر اپنے باطن کی تسکین کے لیے شاعری کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ شاعری ہی اس کا باطن ہے بلکہ شاعری تو اس کے باطن کے احساسات کی صرف ترجمان ہے-

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی تنکا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے
شہر میں جھاڑو پھرا ڈاڑھی پہ ریزر پھر گیا

زبیر الحسن غافل نے سماج کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے کی ایک ایک چیز پر باریکی کے ساتھ نظر رکھتے ہیں- سماج ومعاشرے میں پھیلی بے حیائی وعریانیت، ظلم وجبر، انارکی، خودغرضی، بے مروتی، قتل وغارت گری، بیوفائی اور تہذیبی قدروں کی زبوں حالی کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے بعد شاعر نے اپنے مشاہدات ومحسوسات اور باطنی کرب کو قلم بند کیا ہے۔ ان کے یہاں طنز اور مزاح صرف تفریح طبع کی غرض سے نہیں ہے بلکہ تعمیری اور اصلاحی غرض سے برتے گئے ہیں- اس ضمن میں قطعہ کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی تنکا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے
شہر میں جھاڑو پھرا ڈاڑھی پہ ریزر پھر گیا

زبیرالحسن غافل کی خاص بات یہ کہ معاملہ چاہے سیاسی ہو یا سماجی اسے سنجیدگی کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، اور مضحک پہلوؤں میں بھی اصلاحی پہلو تلاش کر لیتے ہیں- دراصل یہ مشکل عمل ہے کہ شاعر بے خوف ہو کر سماج کے مختلف پہلوؤں کو اپنے حیطہ احساس کا حصہ بنائے- یہ وہی شاعر کر سکتا ہے جو حساس ہونے کے ساتھ زیرک بھی ہوتا کہ ان تمام سیاسی اور معاشرتی مسائل کو من وعن پیش کر سکے- دلیل کے طور پر میں یہاں ان کی نظم "نام پر دھرم کے کٹ جاتے ہیں لاکھوں گردن"

کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:

ہم نے سوچا تھا کہ جمہور کا مطلب ہے یہی
کوئی انسان نہ توڑے گا کبھی بھوک سے دم
عصمتیں اب نہ بکیں گی کہیں روٹی کے عوض
گیت افلاس کے چھیڑے گا نہ شاعر کا قلم
مفلسی آج بھی اگتی ہے یہاں کھیتوں میں
نام پر دھرم کے کٹ جاتے ہیں لاکھوں گردن
مخملیں فرش کہیں بچھتے ہیں ایوانوں میں
لاش انسان کی رہ جاتی ہے بے گور وکفن
آج بھی ملک میں ہر روز کروڑوں انساں
کھردرے فرش پہ سو جاتے ہیں آکاش تلے
کوئی گھر کوئی آنگن نہیں جن کی تقدیر
زندگی آج بھی ہے ایک سزا جن کے لیے
کل جو جائز تھا وہی رسم کہن آج بھی ہے
تھا جن ہاتھوں میں کبھی دیش کا دھن آج بھی ہے

زبیرالحسن غافل کی شاعری میں لفظوں کا دروبست، خیال کا تسلسل اور بیان میں پختگی ہے۔ اسلوب میں دلکشی اور زبان میں شیرینی سب کچھ موجود ہے۔ یہ نہایت ہی سنجیدہ موضوع ہے

جس کو سلیقے سے برتا گیا ہے۔ غافل نے اپنے عہد کی سچائی کو ایمانداری اور خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ لیکن کہیں بھی ظریفانہ شاعری سے سودا نہیں کیا ہے اور نہ سنجیدہ شاعری کا دامن چھوڑا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ غافل نے صرف ظریفانہ شاعری سے لوگوں کا دل بہلایا ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے اچھی اور سنجیدہ شاعری بھی کی ہے جس میں عصری آگہی، سماجی و ملی احساس کی ترجمانی اور درد و کرب کا اظہار بھی کیا ہے۔ اپنے دل کے حالات کا بھی ذکر کیا ہے اور ذات کے ساتھ کائنات کا منظرنامہ بھی پیش کیا ہے۔ نشاط کا نغمہ اور درد کا نوحہ بھی سنایا ہے۔ روایتی، کلاسیکی اور جدت نگاری کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔ مجموعی طور پر وہ عوامی شاعری کرتے ہیں اور عوام کے دکھ درد کو اپنی شاعری کا موجوع بناتے ہیں۔ ایک عمدہ شاعری کے لیے عوامی جذبے کو شاعری کے قلب میں اتارنے کے ساتھ ساتھ شاعری کے زبان و بیان کا بھی خاص خیال رکھنا ضروری ہے جس میں زبیر الحسن غافل پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔

☆☆☆

محسوسات کا شاعر: زبیرالحسن غافل

خان محمد رضوان
ریسرچ اسکالر، دہلی یونیورسٹی

میں جانتا ہوں تمہارا وعدہ فریب ہے اور کچھ نہیں ہے
مگر ہمارا بھی ظرف دیکھو فریب کھا کر بہل گئے ہیں

زبیرالحسن غافل کا یہ شعر ایک بڑی سچائی کے کتنا قریب ہے، یہ محل غور و فکر ہے- یہ فریب خوردہ دنیا جس کے فریب میں انسان بہت حد تک اسیر ہے، اس پرفریب دنیا سے کوئی انسان بغیر فریب کھائے کیسے گزر سکتا ہے؟

سچ تو یہی ہے کہ دنیا داروں کے لیے یہ ایک فریب ہے اور مومن کے لیے دارالعمل ۔ اس لیے ہمارے بننے بگڑنے اور ہماری خوشحالی و بدحالی میں قصور دنیا کا نہیں بلکہ ہماری کوتاہ عملی کا ہے- چوں کہ ہماری اکثریت اچھے اور برے کی تمیز سے بے بہرہ ہے، نفع اور نقصان سے بے نیاز اور فطری حس سے محروم ہوتی چلی جارہی ہے- جب کہ ایک ادیب اور شاعر کا سب سے بنیادی آلہ اس کا احساس ہوتا ہے، کہ وہ جس ملک اور جس سماج میں رہتا ہے اس کے متعلق وہ کیا سوچتا ہے- وہ خود اپنے تئیں کیا سوچتا ہے، اس کے محسوسات کی دنیا کیا کہتی ہے-

ایک سچا شاعر نہ صرف دنیا پر نظر رکھتا ہے بلکہ اس کی پہلی نظر اپنی ذات پر پڑتی ہے، وہ

اپنی ذات کو پڑھنے کے ساتھ اپنے گردوپیش کا مطالعہ کرتا ہے، سماجی اور سیاسی حالات کا جائزہ لیتا ہے،انسان اورانسان کی جبلتوں کا باریک بینی سے مطالعہ کرتا ہے،اور سماج ومعاشرے میں در آنے والی تبدیلیوں کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے اس کا غیر جانب دارانہ جائزہ پیش کرتا ہے۔ زبیرالحسن غافل نے بھی اپنے گردوپیش کا بہت ہی قریب سے مطالعہ کیا، اور ناپید ہوتی تہذیب پر اپنا کرب بیان کیا ہے۔نمونے کے چند اشعار ملاحظہ کریں:

سوال یہ نہیں کیوں قتل ہو گیا میرا
سوال یہ ہیکہ الزام کس کے سر آئے

....

وہی بستی وہی چہرے مگر ایسی فضا بدلی
کہ سب کے ہاتھ میں خنجر ہے کس کو آشنا کہیے

....

شرم آنکھوں سے رخ سے حیا لے گئی
جانے تہذیب نو اور کیا لے گئی

....

پھر پکی فصلوں کی صورت کاٹ کر لے جائے گا
جانے یہ موسم جنوں کا کتنے سر لے جائے گا

....

مرے قتل کا کیا سبب ہوا یہ بحث یار فضول ہے
چلو دفن کر دو کہیں مجھے مری مغفرت کی دعا کرو

....

ان اشعار کا اگر ہم غائر مطالعہ کریں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ان میں شاعر نے اپنے سوزِ جگر اور سوزش جگر دونوں کو سمو کر رکھ دیا ہے۔غم والم اور یہ کرب شاعر کو صرف اپنی ذات کا ہی نہیں بلکہ زوال آمادہ تہذیب ومعاشرت کا بھی ہے۔

سماج ومعاشرے میں پھیلی بے حیائی وعریانیت، ظلم وجبر، انارکی، خودغرضی، بے مروتی، قتل وغارت گری، بیوفائی اورتہذیبی قدروں کی زبوں حالی کودیکھنے اورمحسوس کرنے کے بعد شاعر مجبور ہوا کہ اپنے مشاہدات ومحسوسات اور باطنی کرب کوقلم بند کرے-

زبیرالحسن غافل نے اپنے احساسات کو بڑی خوب صورتی اور ہنرمندی کے ساتھ رقم کیا ہے- یہ وہ احساسات ہیں جوانسانی دنیا کی حقائق ہیں، جس کومحسوس کر کے حساس طبیعت شاعر بے چین ہو جاتا ہے، اوراس کا باطن اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس بے ترتیب زندگی کے خلاف آواز بلند کرے- دراصل یہ انسانی فطرت اورنفسیاتی معاملہ بھی ہے، ماہرین نفسیات جانتے ہیں کہ انسانی نفسیات کس طرح سماجی اتھل پتھل سے بیدار ہوتی ہے، جولوگ اپنے اس انسانی اورفطری عمل کو دبا کررکھتے ہیں اورسماج ومعاشرے میں روز بروز پروان چڑھ رہے غیرفطری رویہ کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کرتے گویا وہ انسانی اورطبعی میلانات کو کچل دیتے ہیں جو کہ فطرت کے عین خلاف ہے- انسانی فطرت یہ نہیں ہے کہ ہر سرد وگرم کو گوارا کرلیا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کے احساس کا اظہار بھی کرایا جائے-

وہ ذات میں اپنی خود اک محفل رنگیں ہے
وہ شخص مجھے کتنا تنہا نظر آتا ہے

....

یہ شور، یہ ظلمت یہ بھاگتے سائے
تمہارا ہاتھ نہ ہوتا تو ڈر گئے ہوتے

....

کس کوفرصت تھی جو دیتا مرے قاتل کا پتہ
لاش ہم اپنی لیے کاندھے پہ پھرتے ہی رہے

....

کل تک زمیں پہ تھا جو خداؤں کی طرح
اج اس کو دیکھے کہ خلا میں بکھر گیا

....

مذکورہ بالا اشعار میں زبیرالحسن غافل نے نفسیات کے طالب علم کی صورت میں انسانی نفسیات کا مطالعہ پیش کیا ہے، انسانی فطرت کو اس طور پر بے نقاب کیا ہے کہ انسان کی اپنی ذات، اس کا علم، اس کا عمل، اس کی دولت، اس کی بیوی اور اس کے بچے ہی اس کا سرمایہ ہیں باقی یہ سب جو ہم دیکھ رہے ہیں صرف نظر کا دھوکا ہے، انسان تنہا آتا ہے اور تنہا چلا جاتا ہے، یہ دنیا تو صرف دھوکے کی ٹٹی ہے، نظر کا فریب ہے- دوسرے شعر میں ایک روشن حقیقت کی جانب سے ہمارا ذہن مبذول کرنے کی سعی کی ہے کہ یہ دنیا اور اس دنیا کا ہاؤ ہو بس ایک تماشہ ہے اور کچھ نہیں- اسی طرح تیسرے اور چوتھے شعر میں بھی اہم مسائل اور ازلی حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ انسان اپنے دکھ کا خود مداوا ہے دنیا اور وسائل دنیا اس کا مداوا نہیں بن سکتیں، کیوں کہ اقبال علیہ الرحمہ نے کہا تھا کہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
'یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے'-

انسانی سوچ جب تک فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہوگی تب تک انسان مسائل ومشکلات سے دوچار ہوتا رہے گا- ضروری ہے کہ انسان اپنے احساس کو زندہ کرے کیونکہ

جب یہ حس مرجاتی ہے تو پھر انسان ایک لاشہ کی مانند ہو جاتا ہے، پھر سرد و گرم کا اس بے حس انسان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا- اور پھر وہ اپنے موافق اور ناموافق ہر طرح کے حالات کو گوارا کرتا چلا جاتا ہے- اور یہی انسان کی طبعی موت ہے-

احساس ہی انسان کو زبان عطا کرتا ہے، ایک شاعر اسی احساس کے سہارے اپنی باطنی کیفیات کو قلم بند کرتا ہے- احساس انسان کا زیور ہے،

احساس نہ ہو تو زندہ اور مردہ میں کیا فرق ہے؟ احساس ہی نہ ہو تو ایک بے حس انسان اور ایک حساس انسان میں آپ کیسے تمیز کریں گے؟

زندگی کی ایک سچی اور بڑی حقیقت احساس ذات و کائنات ہے- اور یہی ایک شاعر اور ادیب کا جوہر ہے- سائنس اور ٹیکنالوجی خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائیں لیکن ہماری شاندار

ماضی کی یادوں پر خاک نہیں ڈال سکتیں، آج کے اس گلوبلائز دنیا میں بھی ہر انسان کا ماضی اس کے سامنے ہے، وہ اپنے ماضی کے لوٹنے کا آرزومند ہے، وہ اپنے ماضی میں پھر سے جینا چاہتا ہے اور ہر انسان اپنے ماضی کو اتنا ہی شدت سے یاد کرتا ہے جتنا اس کا ماضی روشن اور تابناک تھا- بلکہ زمانہ ہمیشہ سے گردش میں ہے اور یہ بعید نہیں کہ دنیا اپنی خرابی حالات کے بعد اپنے ماضی کی روایات پر لوٹ آئے چونکہ سائنس انسان کی صرف وقتی ضرورت ہے دائمی نہیں- اور سائنس کے ذریعہ وجود میں آنے والی اختراعات و ایجادات فطرت کا تقاضا ہیں عین فطرت نہیں- دراصل مادیت نے انسان کو اپنی فطرت اور اصلیت سے کوسوں دور کر دیا ہے، جب کہ مادہ انسان کی صرف ضرورت ہے، کل نہیں ہے، جس طرح ایک شاعر اپنے باطن کی تسکین کے لیے شاعری کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ شاعری ہی اس کا باطن ہے بلکہ شاعری تو اس کے باطن کے احساسات کی صرف ترجمان ہے-

شاعر نے اپنے باطن میں ڈوب کر اپنے رب سے کس طرح دست طلب دراز کیا ہے، یہ اشعار باطن کے احساس کی خوب صورت دلیل ہیں، حمد کے دو شعر ملاحظہ کیجیے:

اتنی ہمت مجھے خدا دیدے
غم اٹھانے کا حوصلہ دے دے

....

میرے جذبات چھین لے مجھ سے
میرے احساس کو فنا دیدے

....

حمد یہ کلام کا یہ وہ اسلوب بیان اور انداز طلب ہے جو مسائل حیات اور مسائل روزگار کی خوب صورت عکاس ہیں- زبیر الحسن غافل نے سنجیدہ کلام کے ساتھ طنزیہ و مزاحیہ کلام بھی کہے ہیں بلکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ بنیادی طور پر طنز و مزاح کے ہی شاعر تھے، حقانی القاسمی نے اپنے ایک مضمون "صرصر الجھتی صبا: زبیر الحسن غافل کا تخلیقی مدوجزر" جو کہ غافل کے شعری مجموعہ کلام "اجنبی شہر" میں شامل ہے لکھا ہے کہ:

غافل (زبیر الحسن) بنیادی طور پر طنز ومزاح نگار اور ضمیر جعفری، دلاور فگار، سید محمد جعفری، شوق بہرائچی، شہباز امروہوی، ماچس لکھنوی، ٹی این راز، ساغر خیامی، رضا نقوی واہی، بلال سیوہاروی، کے سلسل ?الذہب کی ایک اہم کڑی ہیں"

فن شاعری کوئی آسان فن نہیں، یہ مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے، انسانی زندگی میں کچھ کام ایسے ہیں جو مکمل طور پر سنجیدگی، متانت، ظرافت اور زود حسی کے طلب گار ہوتے ہیں ان میں ایک طنز ومزاح ہے- کمال فن یہ ہے کہ شاعر ہنرمندی، چابک دستی اور ذہانت سے کام لے کر مزاح کے ساتھ طنز کا پہلو پیدا کرے- اس فن میں شاعر کو بیک وقت دو کام لینے ہوتے ہیں ایک ہے طنز اور ایک ہے مزاح اور دونوں ہی مشکل ترین کام ہیں- عموما اس طرح کی شاعری کو آسان، عام فہم اور سہل کام تصور کیا جاتا ہے، اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ کوئی غیر سنجیدہ کام ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سنجیدہ کام سے بھی زیادہ مشکل ہے، کیوں کہ اس میں سنجیدگی کے ساتھ طنز اور مزاح پیدا کرنا ہوتا ہے-

زبیر الحسن غافل نے اس کام کو بحسن وخوبی کر کے دکھایا ہے- ان کی ایک نظم ہے "مسئلہ" اس کے اشعار بطور نمونہ پیش کرتا ہوں ملاحظہ کریں:

بھاؤ آٹے دال کا معلوم ہوگا تب میاں
رکن ہاؤس کی بنیں گی جب گھریلو بیویاں
عورتوں کے ہاتھ میں جب اقتدا آجائے گا
گھر کے اندر قید پھر مردوں کو رکھا جائے گا
جا نہیں سکتی کچن میں کوئی بھی خاتون اب
پاس ہوگا دیش میں ایسا ہی اک قانون اب
بیویوں کے آگے اپنا سر اٹھا سکتا نہیں
حکم ان پر اب کوئی شوہر چلا سکتا نہیں
لازمی سینا پرونا ہوگا لڑکوں کو اگر
لڑکیوں کو سیکھنا ہوگا سیاست کا ہنر

اب تلک کی مانگ لڑکوں سے کریں گی لڑکیاں
نان ونفقہ پائے گا بیوی سے اب اس کا میاں
مرد ہی اب سے کریں گے عورتوں کے سارے کام
چھین لیں گی عورتیں اب مرد سے ان کا مقام
الغرض الٹا ہی سارا معاملہ ہو جائے گا
در دِزہ سہنا ہے کس کو مسئلہ ہو جائے گا

....

اس نظم میں شاعر نے صارفیت اور سماجی و معاشرتی نظام، ذہنی اور فکری میلان پر زبردست ضرب لگائی ہے-قرآن میں مرد کو قوام کہا گیا ہے،یعنی مرد کو عورتوں کے بالمقابل ساختیاتی اعتبار سے قدر مختلف پیدا کیا گیا ہے-ویسے بھی عورتوں کو مردوں کے مقابلےمیں ذہنی اور جسمانی اعتبار سے حساس، نازک اندام،اور پرکشش بنایا گیا ہے،مگر فیمینسٹ ذہنیت کے حاملین اسے عورتوں کی کمزوری سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ سراسر غلط اور کج فہمی پر مبنی ہے،-یہی وجہ ہے کہ حقوق نسواں کی علم بردار تحریکیں عورتوں کو مردوں کے بالمقابل لا کھڑا کرنا چاہتی ہیں،جس کی وجہ سے آج سماجی انتشار آسمان پر پہنچ چکا ہے،عورتوں میں احساس برتری اس قدر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ آج عورتیں اپنے عضو نازک کو مردوں کے عضو خاص سے مبدل کر رہی ہیں،اپنے جسم کو عریاں کرنا فیشن سمجھنے لگی ہیں،نتیجتاً حیا بے حیائی میں بدل گئی اور زیادہ تر عورتیں مردوں کی طرح آزاد اور بیلگام رہنے کی آرزو میں تنہا رہنے لگیں، جو کہ ہندوستانی تہذیب اور معاشرت کے مغائر ہے-شاعر نے ایسی ذہنیت رکھنے والوں پر طنز کے تیر ونشتر چلائے ہیں اور نہایت سنجیدگی سے ان کی تضحیک بھی کی ہے-

زبیر الحسن غافل نے سماج کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے،یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے کی ایک ایک چیز پر باریکی کیساتھ نظر رکھتے ہیں-ان کے یہاں طنز اور مزاح صرف تفریح طبع کی غرض سے نہیں ہے بلکہ تعمیری اور اصلاحی غرض سے برتے گئے ہیں-اس ضمن میں قطعہ کے اشعار ملاحظہ کیجے :

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی تنکا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے
شہر میں جھاڑو پھرا داڑھی پہ ریزر پھر گیا

....

گو پرانا ہے مقولہ پھر بھی کتنا سچ ہے یہ
اس کی سچائی میں ہرگز ہو نہیں سکتا کلام
اسپ سرکش ہو کہ ہوں ارباب اقتدار
دونوں کے واسطے ہے ضروری مگر لگام

....

غافل کی خاص بات یہ کہ معاملہ چاہے سیاسی ہو یا سماجی اسے سنجیدگی کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، اور مضحک پہلوؤں میں بھی اصلاحی پہلو تلاش کر لیتے ہیں- دراصل یہ مشکل عمل ہے کہ شاعر بے خوف ہو کر سماج کے مختلف پہلوؤں کو اپنے حیطہ احساس کا حصہ بنائے- یہ وہی شاعر کر سکتا ہے جو حساس ہونے کے ساتھ زیرک بھی ہوتا کہ ان تمام سیاسی اور معاشرتی مسائل کو من وعن پیش کر سکے- دلیل کے طور پر میں یہاں ان کی نظم "نام پر دھرم کے کٹ جاتے ہیں لاکھوں گردن"
کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:

ہم نے سوچا تھا کہ جمہور کا مطلب ہے یہی
کوئی انسان نہ توڑے گا کبھی بھوک سے دم
عصمتیں اب نہ بکیں گی کہیں روٹی کے عوض
گیت افلاس کے چھیڑے گا نہ شاعر کا قلم
مفلسی آج بھی اگتی ہے یہاں کھیتوں میں
نام پر دھرم کے کٹ جاتے ہیں لاکھوں گردن

مخملیں فرش کہیں بچھتے ہیں ایوانوں میں
لاش انسان کی رہ جاتی ہے بے گور وکفن
آج بھی ملک میں ہر روز کروڑوں انساں
کھردرے فرش پہ سوجاتے ہیں آکاش تلے
کوئی گھر کوئی آنگن نہیں جن کی تقدیر
زندگی آج بھی ہے ایک سزا جن کے لیے
کل جو جائز تھا وہی رسم کہن آج بھی ہے
تھا جن ہاتھوں میں کبھی دیش کا دھن آج بھی ہے

....

زبیرالحسن غافل کا شعری مجموعہ "اجنبی شہر" پڑھ کر دلی خوشی ہوئی-اوراحساس ہوا کہ انھوں نے اپنی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے شعری سفر کو جاری رکھا- یہی نہیں بلکہ کلاسیکی روایات کی توسیع کا فریضہ انجام دیا ہے-خواہ سنجیدہ شاعری ہو،طنزیہ یامزاحیہ شاعری ہو یا پھر پیروڈی- ہر میدان میں مستحسن سعی کی ہے-

پیروڈی کا آغاز اودھ پنچ سے ہوا تھا اور یہی دور اس کا سنہری دور بھی تھا-موجودہ عہد میں پیروڈیکل شاعری کی حالت زار پر ہنسی تک نہیں آتی -مگر ایسے ناگفتہ بہ دور میں بھی غافل نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے طنز ومزاح کی زریں روایات کی توسیع کی عمدہ کوشش کی ہے-انھوں نے غالب،اقبال اور مجروح کی شاعری کی پیروڈی کرکے شعری رویے کو نہ صرف پر لطف بنایا ہے بلکہ ان کے کلام میں تازگی اور چاشنی پیدا کردی ہے- زبیرالحسن غافل لائق ستائش ہیں کہ انھوں نے فنون لطیفہ کے جس فن کو بھی مس کیا اس کے نباہ کی حتی الوسع سعی کی ہے-

☆☆☆

زبیرالحسن غافل کی شاعری میں حسن ظرافت

محمد مبشر عالم

کہتے ہیں نہ کہ ایک اچھے انسان کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ان کو جب بھی دیکھو تو ان کے چہرے پر ایک طرح کی اطمنانیت کا احساس نظر آتا ہے۔درحقیقت یہ ان کے مزاج کا حصہ ہوتا ہے کہ وہ ہر پریشانی اور دکھ و تکلیف کو بحسن وخوبی برداشت کرتے ہوئے اپنے مزاج کو حاوی رکھتے ہیں۔زبیرالحسن غافل میں یہ خوبی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔زبیرالحسن غافل کی شاعری میں بھی یہی خوبی نظر آتی ہے۔انہوں نے جو بھی شاعری کی ہے وہ دراصل معاشرے میں ہونے والے واقعات سے ہی موضوع کو لیا ہے۔ان کی شاعری میں معاشرے کے کرب کو بھی ایسے انداز میں پیش کیا ہے جس میں مزاح کا پہلو سامنے آتا ہے۔ جہاں کہیں بھی وہ طنزیہ بات کہ رہے ہوتے ہیں اس میں تلخیہ انداز کم ہی رہتا ہے۔ ان کا مقصد معاشرے کی اصلاح ہوتا ہے نہ کہ کسی کی دل شکنی کرنا۔انہوں نے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا کہ اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں کو ٹھیس نہ پہنچائیں اسی لیے انہوں نے اپنی شاعری میں شوخی کا مزاح کو شامل کیا۔ان کی شاعری کو پڑھنے سے لگتا ہے کہ ان کے مزاج میں شوخی ہے۔ وہ خوش اخلاق ہیں اور مزاجاً نیک صفت انسان ہیں۔مجسٹریٹ کے عہدے پر رہتے ہوئے انہوں نے لوگوں کے مسائل کو قریب سے جانا اور لوگوں کی خوب مدد بھی کی۔

زبیرالحسن غافل کی مزاحیہ شاعری اپنے عہد کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ ہر بات کو حسن ظرافت کے پیکر میں بڑی خوش اسلوبی اور فنی لطافت کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور اپنے دلی جذبات واحساسات ،خیالات ومحسوسات کو اپنی نظموں میں بیان کرتے ہیں۔ وہ عصری

مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنے مزاحیہ شاعری کو ظریفانہ اسلوب میں پیش کر کے نہایت ہی اہم مسئلہ کو پیش کرنے کا مجاز رکھتے ہیں۔ ان کی مزاحیہ شاعری میں ظرافت کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ وہ پردہ کے پیچھے پوشیدہ مسائل سے پردہ اٹھانے کا کام بھی کرتے ہیں۔ وہ سیاسی واقعات اور مشہور چارہ گھوٹالے جیسے واقعات کو اچھے انداز میں بیان کیا ہے، جس میں اپنی ظرافت کا ثبوت دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

یہ مویشی کے مسیحا یہ طبیب جانور
کھا گئے چارہ انہیں کا جن کے تھے یہ چارہ گر
زور سے اپنے قلم کے پہلے پھیلائی وبا
پھر چکستا کے لئے مانگی حکومت سے دوا
جو دوائیں دی گئی تھیں جانور کے واسطے
ان کو بھی بازار میں یہ بیچ کر سب کھا گئے
پھر وبا میں مر گئے سارے کے سارے جانور
جن کو بانٹا تھا انہوں نے پہلے فرضی نام پر
ان غریبوں کو نیا اک جانور پھر سے ملے
اس لئے موٹی رقم بھیجی انہیں سرکار نے
پھر وہی ترکیب پہلے کی سی دہرائی گئی
یعنی فرضی نام پر ساری رقم کھائی گئی

مذکورہ بالا اشعار میں شاعر نے ظرافت کا استعمال کیا ہے۔ شاعر نے اس میں سیاسی نیتاؤں کے ذریعہ ہونے والے گھوٹالے کا بہت اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ ان اشعار میں شاعر نے شاعری کے فن کو گرنے نہیں دیا ہے اور شعر کی صحت اور شعریت کا لحاظ بھی رکھا ہے اور بات بھی پوری طرح ظاہر کر دیا ہے۔ ان کے یہاں مزاح صرف تفریح طبع کی غرض سے نہیں استعمال ہوا ہے بلکہ معاشرے کی تعمیری اور اصلاحی نقطۂ نظر سے برتے گئے ہیں۔

زبیر الحسن غافل کی مزاحیہ شاعری اپنے عہد کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ کسی بھی بات کو

مزاح کے پیکر میں بڑی خوش اسلوبی اور فنی لطافت کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بہار کی موجودہ صورت حال کو انھوں نے اپنی نظم ''بہار کی موجودہ حالت'' میں بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ایسی حالت ہوگئی سڑکوں کی اس سرکار میں
بیل گاڑی کا مزہ آنے لگا ہے کار میں
کیوں اسے لے جا رہے ہو تم ابھی سے ہسپتال
جان بچنے کی ابھی امید ہے بیمار میں
سارے دھندوں میں تو اب گھاٹا ہی گھاٹا ہے یہاں
کچھ منافع ہے تو بس اغوا کے کاروبار میں

انہوں نے قطعات بھی کہے ہیں جو طنز و مزاح کی چاشنی میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو پڑھنے اور سننے والوں کو ذہنی سکون عطا کرتے ہیں۔ وہ سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں اور بے رحم سچائیوں پر سے نقاب اُٹھانے کی پرزور کوشش کی ہے۔ جس میں وہ کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے ذریعہ لوگوں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چند قطعات ملاحظہ ہوں:

کہہ رہا تھا چور یہ کل ایک تھانیدار سے
مجھ سے کچھ بچ کر ہی رہنا ہیں بُرے پھیرے مرے
ایک ہی دن میں تجھے سسپنڈ کروا سکتا ہوں
ہیں منسٹر جتنے وہ بھائی ہیں موسیرے میرے

اسی طرح شاعر نے سرکاری دفتر میں نوکری لگنے کے بعد لوگ کیسے بدل جاتے ہیں اس کو مزاحیہ انداز میں کہا ہے۔ اس ضمن میں قطعہ کے اشعار ملاحظہ فرمائیے:

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی تنکا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے

شہر میں جھاڑ و پھرا داڑھی پہ ریزر پھر گیا

زبیر الحسن غافل نے اپنے اشعار میں پوری طرح سے مزاحیہ پہلو کو سامنے رکھا ہے۔ اس مزاحیہ پہلو میں شوخی ہے۔ جسے انہوں نے بحسن وخوبی کر کے دکھایا ہے۔ان کی ایک نظم ہے "مسئلہ" اس کے اشعار ملاحظہ کریں:

بھاؤ آٹے دال کا معلوم ہوگا تب میاں
رکن ہاؤس کی بنیں گی جب گھریلو بیویاں
عورتوں کے ہاتھ میں جب اقتدا آجائے گا
گھر کے اندر قید پھر مردوں کو رکھا جائے گا
جا نہیں سکتی کچن میں کوئی بھی خاتون اب
پاس ہوگا دیش میں ایسا ہی اک قانون اب
بیویوں کے آگے اپنا سر اٹھا سکتا نہیں
حکم ان پر اب کوئی شوہر چلا سکتا نہیں
لازمی سینا پرونا ہوگا لڑکوں کو اگر
لڑکیوں کو سیکھنا ہوگا سیاست کا ہنر
اب تلک کی مانگ لڑکوں سے کریں گی لڑکیاں
نان ونفقہ پائے گا بیوی سے اب اس کا میاں
مرد ہی اب سے کریں گے عورتوں کے سارے کام
چھین لیں گی عورتیں اب مرد سے ان کا مقام
الغرض الٹا ہی سارا معاملہ ہو جائے گا
دردِ زہ سہنا ہے کس کو مسئلہ ہو جائے گا

زبیر الحسن غافل کی شاعری کا مطالعہ ومحاسبہ اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ ان کی شاعری میں شعری لطافت اور حسن سخن کا لحاظ ضرور رکھا ہے۔ جو کچھ بھی لکھا ہے سنبھل سنبھل کے لکھا ہے ۔ان کی شاعری میں حقیقت نگاری کے ساتھ غور وفکر کی دعوت بھی ملتی ہے ۔ تجربات اور

مشاہدات کے اشارے بھی ملتے ہیں ۔خوبصورت شاعری کی جھلکیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں ۔ مضامین کی تازہ کاری کا احساس بھی ہوتا ہے۔سوز وگداز اور سادگی و پرکاری کے نقوش بھی عکس ریز ہیں ۔لفظوں کا دروبست، خیال کا تسلسل، بیان میں پختگی ۔اسلوب میں دلکشی اور زبان میں شیرینی سب کچھ موجود ہے۔زبیرالحسن غافل نے اپنے عہد کی سچائی کو ایمانداری اور خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔لیکن کہیں بھی ظریفانہ شاعری سے سودا نہیں کیا ہے اور نہ سنجیدہ شاعری کا دامن چھوڑا ہے۔لیکن ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے صرف ظریفانہ شاعری سے قاری کا دل بہلایا ہے بلکہ اس کے ساتھ انہوں نے اچھی اور سنجیدہ شاعری بھی کی ہے جس میں عصری آگہی، سماجی و ملی احساس کی ترجمانی اور درد و کرب کا اظہار بھی کیا ہے۔اپنے دل کے حالات کا بھی ذکر کیا ہے اور ذات کے ساتھ کائنات کا منظرنامہ بھی پیش کیا ہے۔لیکن کہیں ظرافت کا پہلو نہیں چھوڑا ہے۔

☆☆☆

طنز ومزاح کا معتبر حوالہ زبیر الحسن غافل

عبدالغنی
صحافی

26 جنوری دو ہزار اکیس کی شام ہے کہر آلود آسمان میں سورج پہلے سے غروب ہے۔شام کے ڈھلنے اور رات کی ابتدا کا کوئی اَتا پتا نہیں ہے۔سرد لہر کے سبب شہر بھی جامد اور ساکت ہے۔اسی درمیان یہ اندوہناک اور دلدوز خبر موصول ہوئی کہ طنز ومزاح کے معتبر حوالہ مشہور ومعروف شاعر زبیر الحسن غافل کا پٹنہ میں انتقال پر ملال ہوگیا ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون اور اسی کے ساتھ ظریفانہ شاعری کے ایک باب کا خاتمہ ہوگیا۔اچانک ان کی موت کی اطلاع سے اردو دنیا اور بالخصوص علاقہ سیمانچل سوگوار ہوگیا۔دراصل زبیر الحسن غافل کی موت واقعی غیر متوقع ہوئی ہے کئی ماہ سے وہ علیل ضرور تھے مگر معالجین کی نگہداشت میں روبہ صحت ہورہے تھے مگر قاضی اجل کو کچھ اور ہی منظور تھا۔طویل علالت اور اس کے بعد ملنے والی صحت کا زمانہ ان کی سانسوں کی طرح سمٹ کر رہ گیا تھا وہ صحت یاب ہوئے، پھر اپنے آبائی گھر آئے اور پھر رب حقیقی سے جا ملے۔

زبیر الحسن غافل ظریفانہ شاعری کے ایک اہم معتبر شاعر تھے جو طنز ومزاح کے پردے میں سماجی کرب کا برملا اظہار کرتے تھے۔ان کی شاعری سیاست سے لے کر معاشرت تک محیط تھی۔

زبیر الحسن غافل پیدائشی شاعر تھے۔بچپن سے ہی ان کو شعر وشاعری کا ذوق وشوق تھا۔شعر وشاعری ان کو وراثت میں ملی تھی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے ددیہال اور ننیہال میں شعر وشاعری کا ماحول تھا۔ان کے نانا فرزند علی شیدا اردو اور فارسی میں ظریفانہ شاعری کرتے تھے۔زبیر الحسن کی پیدائش 27 جنوری 1944 کو کملداہا اررریہ کے ایک متوسط زمیندار گھرانے

میں ہوئی۔ 1966 میں بی۔ایس۔سی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد والد کے حکم سے قانون میں داخلہ لے لیا۔1968 میں بی۔ایل کرنے کے بعد 1969 میں سول کورٹ ارریہ میں وکالت شروع کی۔ 1975 میں منصف کے مقابلہ جاتی امتحان میں شریک ہوئے اوران کو کامیابی نصیب ہوئی۔ جس کے بعد وہ بہار کے مختلف اضلاع میں منصف کے عہدے پر فائز رہے۔ جنوری 2004 میں بہار کے مظفر پور سے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ان کے والد جناب ظہورالحسن صاحب کہنہ مشق شاعر تھے اور حسن تخلص رکھتے تھے۔ان کا شعری مجموعہ 'صحرا میں سمندر' بھی ادبی حلقوں میں مقبول ہوا۔انسانی کمالات اور خوبیوں سے متصف عدل وانصاف کے پیکر زبیرالحسن غافل کی زندگی کا ہر پہلو روشن ہے۔جس میں ہر ایک کو اپنے لیے کچھ نہ کچھ نظر آتا تھا۔اس میں اہل علم، شعرا و ادبا، علما، اہل مدارس، گاؤں کے ہم سایہ، شہر کے ضرورت مند، قانونی حاجت مند غرض وہ مرجع خلائق تھے۔ ان کے پاس ہر آنے والا شخص مطمئن ہوکر رخصت ہوتا تھا۔شریف النفسی، خوش اخلاقی اور صلہ رحمی کے نیک جذبے سے سرشار زبیرالحسن غافل بہتوں کی آس تھے۔زبیرالحسن غافل اپنی شاعری کے حوالے سے بھی اردو دنیا میں اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں ان کی شاعری پڑھنے کے بعد وقتی طور پہ قارئین زیر لب مسکراتے ہیں مگر جلد ہی دردمندی کے احساس سے مغلوب ہوجاتے ہیں دراصل ان کی شاعری میں زندگی کے آلام ومصائب کا ذکر شامل ہے ان کی نظم 'مسجد اقصی کی پکار' اور 'ایک گھر اللہ کا' اسی کرب واذیت کا اظہار ہے مسجد اقصی کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں:

میں مسجد اقصی میرے چاہنے والو
غیروں کے تسلط سے مجھے آ کے چھڑالو
یہ وقت عمل کا ہے مقدر پہ نہ ٹالو
اے چاہنے والو میرے چاہنے والو

غافل کی شاعری طنز ومزاح اور سوز وگداز سے پر ہے۔ان کی شخصیت کی طرح ان کا فن بھی کائناتی ہے یہی وجہ ہے وہ حالات کے ستم ظریفی سے رنجیدہ ضرور ہیں مگر حالات کی تبدیلی اور صبح انقلاب کی آمد کے لیے پر امید ہیں مسجد اقصی کی پکار کے مذکورہ بالا اشعار میں جہاں وہ دعوت

عزیمت دے رہے ہیں وہیں ملت اسلامیہ کے جیالوں کو وارث ہونے کا عار بھی دلا رہے ہیں اسی طرح سماج کے لیے ناسور بن چکے رشوت ستانی اور استحصالی نظام کے خلاف بھی وہ سراپا احتجاج نظر آ رہے ہیں۔ رشوت کے چلن عام ہو جانے پر سماج کے کمزور طبقات پر جو جبر ہوا ہے وہ ہر حساس دل کو جھنجھوڑتا ہے۔ 'رشوت' کے عنوان سے ان کی نظم میں کتنا گہرا طنز ہے ملاحظہ فرمائیں:

مردہ رگوں میں پھر سے نئی جان ڈال دے
بوڑھے کلرک کو بھی جوانی کی چال دے
تحت الثری میں چھپی فائل نکال دے
رشوت میں وہ کمال کہ دفتر کھنگال دے
اس سے نظر چرالے کوئی کیا مجال ہے
سب کے گھروں میں اس کے سبب روٹی دال ہے
ہر بار نیا ایک کرشمہ یہ دکھائے
معصوم کو پھانسے کہیں مجرم کو بچائے

ان کی دیگر نظموں میں 'روزگار' اجنبی شہر' ایک پہیلی' اینٹی شوہر کانفرنس اور نسخہ لیڈری جس کا ہر ایک شعر گہرائی و گیرائی لیے ہوئے ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کا عنوان شاعر، لیڈر، پروفیسر ،کلرک، بیوپاری، افسر، عوام اور چور کو بنایا ہے اور اس پر طنز و مزاح کے نشتر چھوڑے ہیں جو قاری کو پڑھنے کے بعد ہنسنے اور پھر سوچنے پہ مجبور کر دیتا ہے لیڈر کے عنوان سے رقم ان کی نظم کے چند بند ملاحظہ فرمائیں:

لیڈر کو اگر آپ کہیں ڈھونڈھنا چاہیں
وہ رات کو دعوت کہیں کھانے میں ملے گا
اور صبح کو صندوق نما توند کو بھر کر
بیٹھا ہوا وہ چمچوں کے نرغے میں ملے گا
اور دن کو وہ لکھوا کے کوئی موقع کا بھاشن
رٹتا ہوا تنہا کسی کمرے میں ملے گا

اسی طرح خود اپنے بارے میں ان کے اشعار ملاحظہ فرمائیں کہ:

غافل کو اگر آپ کہیں ڈھونڈھنا چاہیں
وہ رات کو بیوی سے جھگڑنے میں ملے گا
اور صبح کو ہاتھوں میں لیے کیس کی فائل
اک کوہ گراں کورائی کرنے میں ملے گا
کرسی عدالت پہ بڑے صبر سے دن میں
بکواس وکیلوں کی وہ سننے میں ملے گا

نظم نسخۂ لیڈری کے اشعار ملاحظہ فرمائیں کہ

ایک قرص بے حیائی صبح اٹھ کر لیجیے
چار چمچے آب خودغرضی ملا کر پیجیے
ناشتے میں ایک چمچہ جھوٹے وعدوں کا لبوب
ساتھ اس کے دے مزاعرق ریاکاری بھی خوب
تخم کینہ پاؤ ماشہ لیجیے پھر تول کر
خوب اس کو بھونئے حرص وہوس کی آگ پر

طویل نظم کا آخری شعر دیکھیں

چند ہفتوں تک اگر اس پر عمل کر لیجیے
نیتا بننے کی ضمانت ہم سے آ کر لیجیے

طنزیہ شاعری کے علاوہ وہ غزل کے بھی حساس شاعر تھے۔ ان کے شعری مجموعے کے علاوہ غیر مطبوعہ کلام کثیر تعداد میں ہے جس میں تغزل ہے۔ ان کی ایک غزل ملاحظہ فرمائیں کہ:

شرم آنکھوں سے رخ سے حیا لے گئی
جانے تہذیب نو اور کیا لے گئی
اب بچا ہی ہے کیا آشیاں میں مرے
چند تنکے تھے وہ بھی ہوا لے گئی

ان اشعار کو دیکھیں کہ عشق حقیقی میں شرابور کیفیت کا برملا اظہار اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا ہے:

کبھی جو گزرا تیری گلی سے چراغ یادوں کے جل گئے ہیں
نظر جو آئی تمہاری چوکھٹ جبیں پہ سجدے مچل گئے ہیں

زبیر الحسن غافل نے نعتیہ عشقیہ شاعری میں بھی طبع آزمائی کی ہے جس میں عشق محمدی کی جھلک ہے۔ شعر وادب کے علاوہ وہ علاقے کے ایک شجر سایہ دار سرپرست تھے مربی تھے۔ بڑی تعداد میں ان کے قریب ترین وہ لوگ تھے جو کملداہا اور قرب وجوار کے تھے اور سبھی کو بس یہی لگتا تھا کہ جج صاحب کے ہم خاص ہیں۔

اپنی پہلی ملاقات ان سے کب کی ہے، یاد نہیں۔ البتہ ملاقاتوں کے سلسلے، ملاقاتوں پر اصرار اور گاہے گاہے ان کا میرے احوال دریافت کرنا یاد ہے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد وہ مستقل ادبی اور سماجی خدمت میں مصروف ہوگئے تھے علاقے کے شعرا و ادبا پر مشتمل انجمن سوشیو لٹریری سوسائٹی کی تمام نشستوں میں شریک رہتے تھے۔ نشست اور بیٹھک میں لوگوں سے ملاقات کا جو سلیقہ ان میں تھا شاید ہی اب ایسے لوگ ملیں۔ رواداری اور تواضع کی اعلی مثال تھے۔ ایک موقع پر گھر کے لوگوں کے بیچ تھے انہیں معلوم ہوا کہ میں الیاس احمد باوفا مرحوم کا نواسہ ہوں اس پر وہ بے انتہا خوش ہوئے اور حاضرین کو بہت شوق سے بتانے لگے کہ غنی الیاس بھائی کا نواسہ ہے معلوم ہے تم لوگوں کو۔ ان کی یادیں، باتیں، ان کا زیرلب مسکرانا، ملاقاتیوں سے حسب حال گفتگو کرنا۔ عموماً ان کا رویہ سب کے ساتھ مشفقانہ ہوتا تھا۔ مگر ہر اس شخص کی ضرور پذیرائی کرتے یا حوصلہ بڑھاتے تھے جن کو ضروری سمجھتے تھے اس میں قرابت یا کوئی اور وجہ نہیں ڈھونڈھتے تھے بس اچھے کام کرنے والوں کا حوصلہ بڑھاتے تھے۔ آہ کیا ترتیب اور تنظیم کی تھی زندگی کی ان کی۔ زندگی بھر عجز وانکساری کے پیکر بنے رہے۔

تعلیمی پسماندگی پر اکثر کرب کا اظہار کرتے اور تعلیمی انقلاب کے لیے عملی اقدامات پر زور دیتے تھے۔ ایک موقع سے ان کا کہنا تھا کہ ''تعلیمی میدان میں اپنا علاقہ پسماندہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمیندار اور اس کے مزارع کا علاقہ ہے ان کے ذہن میں تھا کہ پڑھائی کرنے سے

کیا ہوگا۔زمیندار طبقہ تعلیمی طور پر پسماندہ رہا ہے۔ پہلے کے مقابلے اب تعلیمی بیداری آئی ہے۔ مسلم بچے پڑھائی سے جی چراتے ہیں۔انٹر کے بعد ڈراپ آؤٹ ہوجاتے ہیں۔ہم تعمیری کام کے بجائے مسجد قبرستان خانقاہ اور وقف زمین پر لڑتے جھگڑتے ہیں۔صورت حال کو بدلنے کے لیے منظّم جدو وجہد کی ضرورت ہے۔''

عوام الناس کی خدمت کے علاوہ اردو شعروادب کو بھی انھوں نے مالامال کیا ہے طنز ومزاح اور ظریفانہ شاعری کے حوالے سے وہ ایک معتبر نام ہیں۔ بہار میں ظرافت کو جن شعرانے معیار اور وقار بخشا ہے ان میں رضا نقوی واہی کے بعد زبیرالحسن غافل کا نام سرفہرست ہے۔ان کا شعری مجموعہ اجنبی شہر سال 2006 میں شائع ہوا ہے جو ادبی حلقے میں خوب پسند کیا گیا اور مجموعے کا دوسرا ایڈیشن 2015 میں بھی شائع ہوا۔ ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں بہار اردو اکادمی نیز دیگر اداروں نے اعزازات سے نوازا ہے۔

☆☆☆

سماجی درد کا شاعر۔۔۔۔زبیر الحسن غافل

ڈاکٹر محمد یحیٰ صبا

سماجی درد کا شاعر زبیر الحسن غافل کچھ عرصہ قبل جج کے عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے۔زبیر الحسن کی پیدائش ۲۷ جنوری ۱۹۴۴ء میں ایک متوسط زمیندار گھرانے میں ہوئی۔۱۹۴۴ء میں بی۔ایس۔سی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد والد کے حاکم سے قانون میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۴۸ء میں بی۔ایل کرنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں سول کورٹ ارریا میں وکالت شروع کی۔۱۹۷۵ء میں منصف کے مقابلہ جاتی امتحان میں شریک ہوئے اوران کو کامیابی نصیب ہوئی۔جس بعد وہ بہار کے مختلف ضلع میں بطور منصف کے عہدے پر فائز رہے۔جنوری ۲۰۰۴ء میں بہار کے مظفر پور سے ایڈیشنل ڈسٹرسکٹ جج کے عہدے سے سبکدوش ہوئے ہیں۔

زبیر الحسن غافل نے اردو ادب باضابطہ طور پر نہیں پڑھی تھی بلکہ شاعری کا شوق انہیں اپنے والد صاحب سے ملی تھی۔ان کے والد بھی شاعری کرلیا کرتے تھے۔دوران طالب علمی وہ صرف اپنے ذاتی ذوق وشوق کی بنیاد پر اردو زبان میں کچھ اشعار وغیرہ لکھ لیا کرتے تھے۔منصف کے ملازمت کے دوران چونکہ ان کا واسطہ لوگوں کے زندگی کے مسائل سے رہا ہے۔وہ طرح طرح کے مسائل کو دیکھ رہے تھے کہ لوگ اس سے کیسے جوجھ رہے ہیں،ایسی حالت میں انہوں نے زندگی کو قریب سے سمجھا۔سماج میں پھیلے ہوئے درد کا احساس انہیں خوب ہوا۔وہ اپنے دل کی بے چینی کو دور کرنا چاہتے تھے۔شاعری ہی وہ ذریعہ ہے جس میں انسان اپنے درد کا اظہار بہت اچھے انداز میں کرسکتا ہے۔ویسے بھی ان کا شوق شعر وشاعری کرنا ہی تھا اس لیے انہوں نے زندگی کو شاعری کے قلب میں اتارنا شروع کردیا۔لیکن انہوں نے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا کہ اپنی طرف سے

لوگوں کے دلوں کو ٹھیس نہ پہنچائیں اسی لیے انہوں نے اپنی شاعری میں شوخی کا مزاح بھی شامل کیا۔ان کی شاعری کو پڑھنے سے لگتا ہے کہ ان کے مزاج میں شوخی ہے۔وہ خوش اخلاق ہیں، شاید یہ ان کو ورثہ میں ملا ہے۔ان کی پوری شاعری عوامی وسماجی مسائل کے اردگرد ہی گھومتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اسی لیے انہیں عوامی اور سماجی درد کا شاعر کہنا غلط نہ ہوگا۔جس طرح نظیرا کبرآبادی کی شاعری میں عوامی مسائل ملتے ہیں اسی طرح ان کے اشعار میں بھی علاقائی اورعوامی مسائل ملتے ہیں۔نظیرا کبرآبادی کی شاعری کو پڑھنے کے بعد اس وقت کا سماج پوری طرح سے سامنے دکھائی دینے لگتا ہے۔نظیر نے اپنی شاعری کو صرف دل لگی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اپنی شاعری کو سماج اورعوام کا ترجمان بنادیا۔آج بھی نظیرا کبرآبادی کے اشعار پڑھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تو آج کے سماج اورعوام کا درد ہے۔زبیرالحسن غافل نے بھی اپنی شاعری کو عوام وسماج کا ترجمان بنانا چاہا انہوں نے صرف اس میں ظرافت کو شامل کردیا وہ اس وجہ سے کہ انہوں نے بطور جج کورٹ میں لوگوں کو پریشان حال دیکھا تھا۔اس لیے انہوں نے شاعری میں ظرافت کو شامل کیا یا یوں کہیں کہ انہوں نے ظریفانہ شاعری کی۔ان کا ایک مجموعہ''اجنبی شہر'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

زبیرالحسن غافل شاعری کے اصناف میں غزلیں، نظمیں، قطعات اور ماہیے سب لکھتے ہیں۔وہ ان کی تشکیل وتخلیق میں مہارت بھی رکھتے ہیں۔ہر چند کہ وہ ظریفانہ شاعری کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں لیکن سنجیدہ شاعری سے بھی انہیں گریز نہیں۔ظریفانہ شاعری میں بھی انہوں نے فن شاعری کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔شعر کی صحت اور شعریت کا پاس رکھا ہے۔دلکشی اور شگفتگی کا بھی خیال رکھا ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

آج نکلا ہے حوصلہ دل کا
لے لیا بوسہ پائے قاتل کا
دیکھ کر میری رفعت پرواز
منہ ہوا زرد ماہ کامل کا
ایسی حالت ہوگئی سڑکوں کی اس سرکار میں
بیل گاڑی کا مزہ آنے لگا ہے کار میں

کیوں اسے لے جا رہے ہو تم ابھی سے ہسپتال
جان بچنے کی ابھی امید ہے بیمار میں
سارے دھندوں میں تو اب گھاٹا ہی گھاٹا ہے یہاں
کچھ منافع ہے تو بس اغوا کے کاروبار میں

بیشک زبیر الحسن غافل کی ظریفانہ شاعری میں صرف مزاح نہیں ہے بلکہ اس میں طنز بھی ہے۔ اس میں لطف بھی ہے اور اصلاح بھی۔ درج بالا پہلے کے دو اشعار خالص ظریفانہ ہیں جن میں لطف و انبساط کی مقدار زیادہ ہے۔ جس میں دلی سکون اور روحانی خوشی شامل ہے۔ بعد کے اشعار میں طنز اور مزاح کی ملی جلی کیفیات شامل ہیں جن میں اصلاح بھی ہے اور انشائیہ انداز بھی۔ کچھ اور اشعار دیکھیں:

عورتوں کے ہاتھ میں جب اقتدار آ جائے گا
گھر کے اندر قید پھر مردوں کا رکھا جائے گا
جا نہیں سکتی کچن میں کوئی بھی خاتون اب
پاس ہوگا دیش میں ایسا ہی اک قانون اب
بیویوں کے آگے اپنا سر اٹھا سکتا نہیں
حکم ان پر اب کوئی شوہر چلا سکتا نہیں
آگ اور دھماکوں کے کھیل سے بہلتا ہے
آج کے زمانے میں آدمی ہوا بچہ

زبیر الحسن غافل کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری اپنے عہد کے سماج کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ سماج کے درد کی بات کو طنز و مزاح کے پیکر میں بڑی خوش اسلوبی اور فنی لطافت کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور اپنے دلی جذبات و احساسات، خیالات و محسوسات کو اپنی نظموں میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں کہیں پھوہڑ پن نہیں۔ ایک سے ایک تلخ بات کہہ جاتے ہیں جس کا اثر کافی دیرپا ہوتا ہے۔

زبیر الحسن غافل حساس دل کے مالک ہیں وہ عصری مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور

اپنے طنزیہ انداز اور مزاحیہ شاعری کو ظریفانہ اسلوب میں پیش کر کے نہایت ہی اہم مسئلہ کو پیش کرنے کا مجاز رکھتے ہیں۔ان کی مہذب مزاحیہ شاعری میں ظرافت کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ وہ پوشیدہ معاملات ومسائل سے پردہ اٹھانے کا کام بھی کرتے ہیں۔انہوں نے سیاسی واقعات اور چارہ گھوٹالے جیسے بڑے واقعات کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

یہ مویشی کے مسیحا یہ طبیبِ جانور
کھا گئے چارہ انہیں کا جن کے تھے یہ چارہ گر
زور سے اپنے قلم کے پہلے پھیلائی وبا
پھر چکستا کے لئے مانگی حکومت سے دوا
جو دوائیں دی گئی تھیں جانور کے واسطے
ان کو بھی بازار میں یہ بیچ کر سب کھا گئے
پھر وبا میں مر گئے سارے کے سارے جانور
جن کو بانٹا تھا انہوں نے پہلے فرضی نام پر
ان غریبوں کو نیا اک جانور پھر سے ملے
اس لئے موٹی رقم بھیجی انہیں سرکار نے
پھر وہی ترکیب پہلے کی سی دہرائی گئی
یعنی فرضی نام پر ساری رقم کھائی گئی

زبیر الحسن غافل کی شاعری میں لفظوں کا دروبست، خیال کا تسلسل، بیان میں پختگی، اسلوب میں دلکشی اور زبان میں شیرینی سب کچھ موجود ہے۔ یہ نہایت ہی سنجیدہ موضوع ہے جس کو سلیقے سے برتا گیا ہے۔غافل نے اپنے عہد کی سچائی کو ایمانداری اور خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔لیکن کہیں بھی ظریفانہ شاعری سے سودا نہیں کیا ہے اور نہ سنجیدہ شاعری کا دامن چھوڑا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ غافل نے صرف ظریفانہ شاعری سے لوگوں کا دل بہلایا ہے۔اس کے ساتھ انہوں نے اچھی اور سنجیدہ شاعری بھی کی ہے جس میں عصری آگہی،سماجی وملی احساس کی ترجمانی اور درد وکرب کا اظہار بھی کیا ہے۔اپنے دل کے حالات کا بھی ذکر کیا ہے اور ذات کے ساتھ

کائنات کا منظر نامہ بھی پیش کیا ہے۔ نشاط کا نغمہ اور درد کا نوحہ بھی سنایا ہے۔ روایتی، کلاسیکی اور جدت نگاری کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔

زبیر الحسن غافل کی شاعری کا مطالعہ ومحاسبہ اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ ان کی شاعری میں درد وکرب، رنج والم اور دل کی المناکی کا اظہار بے باکی سے کیا ہے۔ وہ چاہے اپنوں کے بچھڑنے کا غم ہو یا دنیا کی بے ڈھنگی چال کا مرثیہ۔ فسادات کے تذکرے ہوں یا انسانی دکھ درد کا المیہ۔ ان سب کے باوجود انہوں نے شعری لطافت اور حسن سخن کا لحاظ ضرور رکھا ہے۔ ان کی شاعری میں حقیقت نگاری کے ساتھ غور وفکر کی دعوت بھی ملتی ہے۔ تجربات اور مشاہدات کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ خوبصورت شاعری کی جھلکیاں بھی جا بہ جا دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مضامین کی تازہ کاری کا احساس بھی ہوتا ہے۔ سوز وگداز اور سادگی و پرکاری کے نقوش بھی عکس ریز ہیں۔ ان کی غزلوں کے اشعار میں جور جا ہوا غم، ذہنی خلش اور کسک زیر تخلیق آئی ہیں ان کا تاثر اور تیور قابلِ داد ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بے وجہ بھی ان آنکھوں میں آجاتے ہیں آنسو
کیوں آپ مرا دیدۂ تر دیکھ کے چپ ہیں
ہم حق کی حمایت پہ تو آمادہ ہیں لیکن
نیزوں پہ لٹکتے ہوئے سر دیکھ کے چپ ہیں
شرم آنکھوں سے رخ سے حیا لے گئی
جانے تہذیب نو اور کیا لے گئی
اب بچا ہی ہے کیا آشیاں میں مرے
چند تنکے تھے وہ بھی ہوا لے گئی

سماج میں پھیلی بے حیائی وعریانیت، ظلم وجبر، انارکی، خودغرضی، بے مروتی، قتل وغارت گری، بیوفائی اور تہذیبی قدروں کی زبوں حالی کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے بعد شاعر مجبور ہوا کہ اپنے مشاہدات ومحسوسات اور باطنی کرب کو قلم بند کرے۔ زبیر الحسن غافل نے اپنے احساسات کو بڑی خوب صورتی اور ہنر مندی کے ساتھ رقم کیا ہے۔ یہ وہ احساسات ہیں جو انسانی دنیا کی حقائق

ہیں، جس کومحسوس کر کے حساس طبیعت شاعر بے چین ہو جاتا ہے، اوراس کا باطن اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس بے ترتیب زندگی کے خلاف آواز بلند کرے۔ دراصل یہ انسانی فطرت اور نفسیاتی معاملہ بھی ہے، ماہرین نفسیات جانتے ہیں کہ انسانی نفسیات کس طرح سماجی اتھل پتھل سے بیدار ہوتی ہے، جولوگ اپنے اس انسانی اور فطری عمل کو دبا کر رکھتے ہیں اور سماج ومعاشرے میں روز بروز پروان چڑھ رہے غیر فطری رویہ کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کرتے گویا وہ انسانی اور طبعی میلانات کو کچل دیتے ہیں جو کہ فطرت کے عین خلاف ہے۔ انسانی فطرت یہ نہیں ہے کہ ہر سرد وگرم کو گوارا کرلیا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کے احساس کا اظہار بھی کرایا جائے۔

انسان جب تک فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہوگا تب تک انسان مسائل ومشکلات سے دوچار ہوتا رہے گا۔ضروری ہے کہ انسان اپنے احساس کو زندہ کرے کیونکہ جب یہ حس مرجاتی ہے تو پھر انسان ایک لاشہ کی مانند ہو جاتا ہے، پھر سرد وگرم کا اس بے حس انسان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا اور پھر وہ اپنے موافق اور ناموافق ہر طرح کے حالات کو گوارا کرتا چلا جاتا ہے اور یہی انسان کی طبعی موت ہے۔ احساس ہی انسان کو زبان عطا کرتا ہے، ایک شاعر اسی احساس کے سہارے اپنی باطنی کیفیات کو قلم بند کرتا ہے۔احساس انسان کا زیور ہے، احساس نہ ہو تو زندہ اور مردہ میں کیا فرق ہے؟ احساس ہی نہ ہو تو ایک بے حس انسان اور ایک حساس انسان میں آپ کیسے تمیز کریں گے؟

زبیر الحسن غافل نے سماج کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے کی ایک ایک چیز پر باریکی کے ساتھ نظر رکھتے ہیں- ان کے یہاں طنز اور مزاح صرف تفریح طبع کی غرض سے نہیں ہے بلکہ تعمیری اور اصلاحی غرض سے برتے گئے ہیں- اس ضمن میں قطعہ کے اشعار ملاحظہ فرمایئے:

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی تنکا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے
شہر میں جھاڑو پھرا داڑھی پہ ریزر پھر گیا

زبیر الحسن غافل نے سماج کو گہرائی سے دیکھا ہے۔ ان کا ہر شعر صرف لطف اندوزی

کے لیے نہیں ہے بلکہ اس میں سماج کا درد ہے وہ درد جس کو انسان برداشت کررر ہا تھا۔انھوں نے لوگوں میں پھیلی ہوئی برائی کو بھی شوخیانہ انداز میں اجاگر کیا ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ یہ رسم ورواج جسے سماج زبردستی ڈھور ہا ہے اس کی کوئی معنویت نہیں سماج کو اسے ترک کردینا چاہیے۔وہ براہ راست کسی پر طنز نہیں کرتے ہیں بلکہ یونیورسل انداز اختیار کرتے ہیں۔

☆☆☆

زبیرالحسن غافل اور طنز و مزاح

ڈاکٹر محمد محسن
کروڑی مل کالج،
یونی ورسٹی آف دہلی، دہلی

ظریفانہ شاعری کو اعتبار بخشنے میں زبیرالحسن غافل کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔انہوں نے اپنی ظریفانہ شاعری کے ذریعے ایک عہد کو متاثر کیا ہے۔ان کی شاعری منفرد ہے ۔ان کا اسلوب نیا اور اچھوتا ہے۔ان کی نظموں کے موضوعات انوکھے اور دلچسپ ہیں۔ان کا انداز برجستہ اور شگفتہ ہے۔شاعری کی بنت کا ہنر کوئی ان سے سیکھے۔زبیرالحسن غافل نے اپنی شاعری میں تمام طرح کے موضوعات کو برتا ہے اور ہر رنگ میں شاعری کی ہے لیکن ان میں طنز و مزاح کا پہلو بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

زبیرالحسن غافل کے خمیر مین شاعری کا عنصر شامل تھا ان کی پیدائش ایک زمیندار گھرانے میں ہوئی، ان کے والد ایک مختار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔شاعری کا ذوق ان کے خاندان کی بدولت انہیں ملا۔ابتدائی تعلیم اس وقت کے معمول کے مطابق گھر پر ہی ہوئی۔بورڈ کا امتحان انگلش ہائی اسکول ارریا سے 1960 میں اول درجے سے پاس کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے پورنیہ گئے جہاں سے انہوں نے بی ایس سی کا امتحان کامیابی کے ساتھ پاس کیا۔اس کے بعد ایل ایل بی پٹنہ یونیورسٹی سے 1968 میں اعزازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا۔تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ ذریعہ معاش کی تلاش میں سرگرداں رہے۔آخر کار ان کی محنت رنگ لائی اور وہ ارریا

سول کوٹ میں 1969 سے وکالت کے پیشہ سے وابستہ ہوگئے ۔ وہ ترقی کر کے منصف کے عہدے پر فائز ہوئے جہاں وہ 1975 سے 2004 تک مظفر پور میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سشن جج کے عہدے پر فائز ہوئے اور وہیں سے اپنی نوکری سے سبکدوش ہوگئے۔

حیرانی کی بات یہ ہے کہ اپنی سرکاری ملازمت کے دوران ان اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اردو شاعری سے رشتہ بنائے رکھا اور گاہے گاہے اردو محفلوں میں بھی شریک ہوتے رہے۔ چونکہ وہ ایک ایسے عہدے پر فائز تھے جو کافی ذمہ داری اور دیانت داری والا تھا اس لیے وہ ذہن ودل کو خوشگوار رکھنے اور بار خاطر کو کم کرنے کے لیے ایسی محفلوں میں ضرور شرکت کرتے جہاں دل ودماغ کو تازگی بخشنے کے چند لمحات میسر آتے۔

زبیرالحسن غافل نے ہر طرح کی شاعری کی ہے لیکن طنز ومزاح ان کا اصل میدان رہا ہے۔ ان کی شاعری میں طنز ومزاح کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ طنز ومزاح ایک ایسا وصف ہے جو شاعری اور نثر دونوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کی اصل خوبی یہ ہے کہ ایک شاعر یا ایک فنکار اپنے خیالات وافکار کو دوسرون تک اس طرح پہنچاتا ہے کہ پیغام بھی پہنچ جائے اور مزاح کا پہلو بھی برقرار رہے۔

زبیرالحسن غافل کی جن نظموں میں طنز ومزاح کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے ان میں چارہ گر، رشوت، بہار کی موجودہ حالت ترک شاعری، اینٹی شوہر کانفرس، ایک لیڈر سے انٹرویو، مسئلہ، یوم اردو، پوچھا بیرے نے، صاحب دیوان، نیا الیکشن، ڈنر ہے، جینی بھی خطائیں ہیں، دیتے ہیں دھوکہ یہ لیڈر رکھلا، تیری قدرت سے، منصف صاحب، پیروڈی، روزگار اور نسخہ لیڈری وغیرہ نظمیں شامل ہیں۔

زیر بحث مضمون میں چند نظموں کا تجزیہ مقصود ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

نظم ''چارہ گر'' زبیرالحسن غافل کی نظموں میں سے ایک نمایاں نظم ہے۔ چارہ گھوٹالہ ریاست بہار کے چہرے پر ایک بدنما داغ ہے۔ جس کی لپیٹ میں بہت سارے سیاست داں آئے۔ دلتوں اور اقلیتوں کے مسیحا کہے جانے والے ایک سیاسی لیڈر پر جب یہ الزام لگا تو نہ صرف ریاست بہار بلکہ پورے ملک میں اس کی گونج سنائی دی۔

چارہ گھوٹالے کو ایک منظّم سازش اور پروپیگنڈہ کے تحت پھیلایا گیا تا کہ ہندوستانیوں

کے دل و دماغ میں دلت لیڈر کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور سماج میں اس کی اہمیت اور قدر و منزلت کم ہو جائے۔ بہار میں ہونے والے چارہ گھوٹالے کو تقریباً تمام ادیبوں اور شاعری نے موضوع بنایا ہے اور اپنے اپنے طریقے سے بیان کرنے کی سعی کی ہے لیکن زبیر الحسن غافل نے جس انداز سے چارہ گھوٹالے کو بیان کیا ہے وہ قدرے مختلف ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ مویشی کے مسیحا یہ طبیب جانور
کھا گئے چارہ انھیں کا جن کے تھے یہ چارہ گر
زور سے اپنے قلم کے پہلے پھیلائی وبا
پھر چکتسا کے لیے مانگی حکومت سے دوا
جو دوائیں دی گئی تھیں جانور کے واسطے
ان کو بھی بازار میں یہ بیچ کر سب کھا گئے

(نظم: چارہ گر، اجنبی شہر_ زبیر الحسن غافل، ص 67)

درج بالا اشعار میں شاعر نے چارہ گھوٹالے میں شامل سبھی سیاستدانوں اور افسروں کی قلعی کھولنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں اس نظم کے ذریعہ یہ بھی دکھایا ہے کہ کس طرح سرکاری حکام، سرکاری معیشت کا بے جا استعمال کرتے ہیں۔ کار اور اسکوٹر پر چوپایہ جانوروں کی لدائی سے لے کر اس کے چارہ کو بھی اس طرح اسکوٹر کا استعمال کرتے ہوئے سرکاری امداد کا بندر بانٹ کرتے ہیں۔ شاعر ایسے حالات سے غافل نہیں ہے اور اس طرح کے معاملات کو عوام کے سامنے بے خوف خطر پیش کرتے ہیں۔

زبیر الحسن غافل کی ایک اور مشہور ترین نظم ''رشوت'' ہے۔ سماجی برائیوں میں سے سب سے بڑی برائی رشوت ہے۔ رشوت ایک ایسی بلا ہے جو تقریباً تمام سرکاری اور غیر سرکاری محکموں اور اداروں میں پایا جاتا ہے۔ ہندوستان چونکہ ایک پسماندہ ملک ہے اور یہاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کوئی بھی سرکاری یا نیم سرکاری کام بغیر رشوت کے کرنا مشکل ہے۔ بلاک سے لے کر کچہری تک ہر آفس میں رشوت خوری کا بازار گرم ہے۔ اس بلا سے کوئی آفس پاک نہیں ہے۔ جب کوئی شخص رشوت کے خلاف آواز اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی آواز دبانے اور اس

کا کام نہ کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔رشوت خوری کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہاں کے مشنری رشوت خوروں کے خلاف کاروائی کرنے میں ناکام ہے۔زبیرالحسن غافل بھی سرکاری ملازمت سے وابستہ رہے ہیں۔انہیں آفس میں رشوت خوری کے بارے میں خوب واقفیت ہے۔اس لیے انہوں نے رشوت جیسی برائی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔انہوں نے اپنی ایک نظم کا عنوان ہی ''رشوت ''رکھا ہے جس میں انہوں نے رشوت کے بارے میں طنز مزاح کے پیرائے میں سماج اور معاشرہ پر قدغن لگانے کی کوشش کی ہے۔اور اس کی خرابیوں کو اجاگر کیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہر جگہ نیا روپ نیا نام ہے اس کا
چپراسی کی بخشش ہے تو افسر کا ہے تحفہ
کہتے ہیں محبت سے کمیشن اسے وزراء
اور دان سمجھتے ہیں اسے دیش کے نیتا

(نظم: رشوت، اجنبی شہر_ زبیرالحسن غافل، ص69)

مندرجہ بالا اشعار میں شاعر نے ہندوستانی سماج میں رشوت ستانی اور اس کے پھیلی ہوئی برائی کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔

زبیرالحسن غافل کی نظموں میں ایک اہم نظم ''بہار کی موجودہ حالت'' ہے آزاد بھارت کے بعد ہی سے ریاست بہار ایک پسماندہ ریاست رہی ہے۔آزاد بھارت کے بعد جو بھی سرکار آئی کسی نے بھی اپنے وعدے کو پورا نہیں کیا۔جب بھی الیکشن آتا ہے اس سے پہلے تمام پارٹیاں وعدے پر وعدے کرتی ہے اور بہار کی ترقی کی قسمیں کھاتی ہیں۔مگر جب اقتدار میں آجاتی ہے تو اپنا وعدہ بھلا دیتی ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کی سڑک اور بجلی کا نظام کبھی ٹھیک نہیں ہوا بلکہ دن بہ دن سڑک کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔سڑک کا نظام برا ہونے کی وجہ سے بڑی کمپنیاں وہاں جانے سے کتراتی ہے۔بہار کی سڑک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بیل گاڑی میں چلنا اور کار میں چلنا برابر ہے۔بہار کی سڑک کے بارے میں سیاسی ہنگامہ اور اتھل پتھل کے علاوہ ادیبوں اور شاعروں کا بھی موضوع رہا ہے۔

زبیرالحسن غافل نے اپنے طنز و مزاح کے ذریعہ نہ صرف سرکار کی حالت کو بیان کیا ہے

بلکہ افسر اور سرکار کی پالیسی اور وعدے پر گہرا طنز کیا ہے اور سرکار کے ترقیاتی کاموں کو نشانہ بنایا ہے ۔وہ ''بہار کی موجودہ حالت کے موضوع پر ایک نظم تحریر کرتے ہیں جس میں بہار کی سڑک کی خستہ حالی کا ذکر کرتے ہیں اور سرکار کی لاپرواہی کو ہدف بنایا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایسی حالت ہوگی سڑکوں کی اس سرکار میں
بیل گاڑی کا مزہ آنے لگا ہے کار میں
کیوں اسے لے جارہے ہو تم ابھی سے ہسپتال
جان بچنے کی ابھی امید ہے بیمار میں

(نظم: بہار کی موجودہ حالت، اجنبی شہر_ زبیرالحسن غافل،ص 70)

زبیرالحسن غافل ایک شگفتہ مزاج شخصیت کے مالک تھے۔اس لیے انہوں نے بعض نظموں کا ایسا دلچسپ عنوان دیا ہے کہ عنوان سے ظرافت کی بو آتی ہے اور یہ کارنامہ وہی شاعر کر سکتا ہے جو طبعی اعتبار کوش دل اور خوش مزاج ہو۔ یہ تو سچ ہے کہ سماج مرد و زن سے ہم آہنگ ہے اور دنیا ان ہی کے وجود سے قائم ہے۔ سماج میں دونوں کی اہمیت برابر ہے۔ سماج میں شوہر اور بیوی کا ایک مقدس رشتہ ہے۔ بعض بیوی اپنے شوہر کی حرکتوں سے پریشان ہو جاتی ہے۔ بعض شوہر شراب اور دوسرے لایعنی فعل میں مبتلا رہتے ہیں اور گھر آ کر اپنی بیوی کو پریشان اور زدوکوب کا نشانہ بناتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو مارتا اور پیٹتا ہے اور لعن طعن کرتا ہے۔ اسی وجہ سے بیوی عاجز آ کر اپنے شوہر کے خلاف آواز بلند کرتی ہے اور شوہر کے ظلم وستم کے خلاف اسٹیج پر بے باکانہ انداز میں اپنی بات رکھتی ہے۔ زبیرالحسن غافل نے ''اینٹی شوہر کانفرس'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے۔ جس کو پڑھنے کے بعد بے ساختہ زیر لب مسکراہٹ آ ہی جاتی ہے۔ شوہر کے خلاف ہونے والے کانفرس کا عورتیں بے صبری سے انتظار کر رہی ہیں۔ زبیرالحسن غافل اس منظر کو بڑی خوبصورتی اور طنزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہر طرف سے لعنتیں تھیں شوہرنادار پر
مختلف نعروں سے پر تھے پوسٹر دیوار پر
شوہروں کے ظلم کی تھیں داستانیں بے شمار

جابجا چپکے ہوئے تھے اس طرح کے اشتہار

(نظم: اینٹی شوہر کانفرس، اجنبی شہر_ زبیرالحسن غافل، ص72)

درجہ بالا اشعار زبیرالحسن غافل کی نظم ''اینٹی شوہر کانفرس'' سے ماخوز ہے۔شاعر نے اس نظم میں مرداساس معاشرے میں عورتیں یا بیویوں کی صورت حال کا جایزہ لینے کی سعی کی ہے۔ عورتوں کے اندر پیدا ہونے والی کم مایگی کا احساس بڑھنا اور پھراس سے پیدا ہونے والے مسائل کا ذکر اس نظم میں پوری طرح اجاگر ہوتا ہے۔

ہندوستانی سیاست دانوں میں ایک چیز بہت زیادہ پائی جاتی ہے ۔ ہر سیاست داں کا میڈیا میں آنے، انٹرویو دینے اور اخبار میں چھپنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔کسی بھی موضوع پر اور کسی بھی مسئلے پر ہندوستانی سیاست داں بیان اور انٹرویو دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔کیمرہ دیکھتے ہی اس کے بیان میں تیزی اور شدت پیدا ہو جاتی ہے، ہر سیاست داں اپنی کامیابیوں کا شمار کرتا ہے اور اپنی ناکامیوں کو چھپاتا ہے۔جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ آپ نے پچھلے الیکشن میں جو وعدے کیے تھے وہ ابھی پورے نہیں کیے تو وہ پھر سے وعدے کرتا ہے کہ ایک بار اگر موقع مل جائے تو وہ تمام ترقیاتی کام کروا دیں گے۔علاقہ کی سڑک، بجلی اور دوسری چیزوں کا نظام بہتر ہو جائے گا۔لیکن عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ جب ایک ہی لیڈر کو دوبار موقع مل جاتا ہے، تب بھی وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرتا ہے، غریب عوام اور سیدھے سادے لوگوں کو بیوقوف بنا دیتا ہے۔اس منظر کو زبیرالحسن غافل نے بڑی خوبصورتی اور بہتر ڈھنگ سے اپنی نظم ''ایک لیڈر سے انٹرویو'' میں بیان کیا ہے۔چند اشعار پیش نظر ہیں:

ہر طرف ہے تنگ دستی ہر طرف افلاس ہے
قوم کے دکھ درد کا کچھ آپ کو احساس ہے ؟
قوم کے ہی غم نے اتنا کردیا لاغر مجھے
غم غلط کرنے کو پینا پڑتا ہے اکثر مجھے
قوم کا حالِ زبوں جب بھی ستاتا ہے مجھے
بوتلوں سے رم کے ہی آرام آتا ہے مجھے

(نظم: ایک لیڈر سے انٹرویو، اجنبی شہر_ زبیرالحسن غافل، ص73)

ہندوستانی سیاستدانوں کے وطیرہ کو شاعر نے اپنی نظم ''ایک لیڈر سے انٹرویو'' میں دکھانے کی کوشش کیا ہے۔ کس طرح لیڈر وعدہ کرتے ہیں۔ پھر وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ اس کا نقشہ بھرپور طریقے سے شاعر نے کھینچا ہے۔

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، جہاں ہر پانچ سال کے بعد الیکشن ہوتا ہے اور الیکشن کو ایک تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ جب ہی الیکشن کا اعلان ہوتا ہے پورے ہندوستان میں جوش وخروش ماحول پیدا ہوجاتا ہے۔ اور وہ اپنی اپنی پسندیدہ پارٹیوں کی جیت کی امید کرتے ہیں اور عوام سے اپنی پسندیدہ پارٹی کی حمایت میں ووٹ مانگتے ہیں۔ الیکشن کا وقت آتے ہی جگہ جگہ پروگرام کا انعقاد ہوتا ہے اور سیاست داں پروگرام میں حصہ لیتے ہیں اور اپنی جیت کے لئے عوام سے ووٹ مانگتے ہیں۔ گویا الیکشن ہندوستان میں ایک تہوار کا روپ اختیار کر چکا ہے۔ ہر نئے الیکشن میں لیڈر کچھ نیا وعدہ کرتا ہے اور اپنی پارٹی کو اقتدار میں لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ زبیر الحسن غافل نے ''نیا الیکشن'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے جس میں الیکشن کے مناظر کو پر لطف انداز میں بیان کیا ہے۔ چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

حلوہ ہے نہ پوری نہ مٹھائی نہ مرغن
ہم نے تو کبھی دیکھا نہیں ایسا الیکشن
گردش ہے ستاروں کی ہیں تقدیر کے پھیرے
منہ تاکتے ہی رہ گئے سب بوتھ لٹیرے
کل تک جو گرجتے تھے وہ لیڈر ہوئے خاموش
ٹنڈن نے بنا ڈالا ہر اک شیر کو خرگوش

(نظم: نیا الیکشن، اجنبی شہر_ زبیر الحسن غافل، ص79)

شاعر نے مذکورہ بالا اشعار میں الیکشن کمیشن اور اس کے افسران کی طاقت واہمیت کو اس نظم میں اجاگر کرنے کی سعی کی ہے اگر الیکشن کمیشن مضبوط ہو تو بڑے سے بڑا سیاسی لیڈر عام آدمی کی مانند نظر آنے لگتا ہے۔ یعنی شیر بھی خرگوش ہوجاتا ہے۔ عوام اپنی مرضی سے آزادانہ طور سے کسی کو بھی ووٹ دیتی ہے۔

زبیرالحسن غافل خود جج کی حیثیت سے برسوں کام کیا تھا۔ان کا اپنا تجربہ ومشاہدہ بے شمار رہا ہوگا۔اس تجربے کی روشنی میں انہوں نے یہ نظم ''منصف صاحب'' تحریر کی ہے۔شاعر نے یہاں منصف کی کمیوں اور خوبیوں کو مختلف طریقے سے بیان کیا ہے۔وہ اس نظم میں فرماتے ہیں کہ صرف پانی میں رہنے والا گھونگھا ہی اپنے اور خول نہیں ڈالے رہتا ہے بلکہ انسانی صورت میں منصف بھی اپنے چہرے پر خول ڈالے رہتا ہے۔دنیا کے تمام رشتوں کو محسوس کرتا ہے مگر اس اس کا اظہار نہیں کرتا ہے۔کچھ اشعار ملاحظہ کیجئے:

خول میں اپنے گھونگھے ہی نہیں رہتے ہیں
اک اور بھی مخلوق ہے منصف جیسے کہتے ہیں
ڈال کر چہرے پہ اپنے خود فریبی کی نقاب
اپنی دنیا میں ہی رہتے ہیں مگن عزت مآب
اپنی آنکھوں پہ چڑھا کر عینک وہم وقیاس
چور کی داڑھی میں یہ کرتے ہیں تنکے کی تلاش

(نظم:منصف صاحب،اجنبی شہر_زبیرالحسن غافل،ص84)

مذکورہ بالا اشعار میں شاعر نے منصف ہونے کی ساری خصوصیات بیان کیا ہے۔

زبیرالحسن غافل کی ایک اور نظم جو فیض کی نظم''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ '' کی پیروی میں لکھی گئی ہے۔''پیروڈی'' کے عنون سے ان کے مجموعے''اجنبی شہر'' میں شامل ہے ۔ایسا لگتا ہے کہ فیض احمد فیض کی نظم''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' رومانی ہے لیکن فیض نے جلاوطنی کے زمانے میں اس نظم کو تحریر کیا ہے اور اس نظم میں محبوب سے مراد وطن عزیز ہے۔

میں نے سمجھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہوجائے
یوں نہ تھا ،میں نے فقط چاہا تھا یوں ہوجائے

(نسخہ ہائے وفا_فیض،ص61)

اس میں فیض احمد نے وطن سے اپنی اٹوٹ محبت کا اظہار کیا ہے یہاں گوشت پوست کا انسان نہیں ہے

زبیرالحسن غافل نے اسی نظم کی پیروڈی کی ہے مگر اس میں عائلی زندگی، گھریلو معاملات بیوی بچوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کے حسن و جمال اور اپنے مسائل کو بھی بیان کیا ہے:

کیا دیا تو نے مجھے شادی کی جھنجھٹ کے سوا
حاصل عشق ہے کیا روز کی کھٹ پٹ کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ
فکر راشن کا لگا رہتا ہے تنہائی میں
کس طرح پیار کی باتیں کروں مہنگائی میں
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

(نظم: پیروڈی، اجنبی شہر_ زبیرالحسن غافل، ص85)

فیض کی نظم اور زبیرالحسن غافل کی نظم جو پیروڈی کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے نمایاں فرق ہے۔فیض اپنی اور اپنے سے جڑے ہوئے وطن سے محبت کا بھرپور اظہار کرتے ہیں لیکن ٹھیک اس کے برعکس زبیرالحسن غافل نے پیروڈی کرتے ہوئے گھریلو زندگی میں شامل بیوی ،بچوں، بازار، مہنگائی، بیوی کی ڈانٹ راشن کی فکر اور مہنگے ہوتے ہوئے راشن کا ذکر کرتے ہیں۔

غافل کی ایک اور نظم 'نسخہ لیڈری' ہے۔اس میں شاعر لیڈر ہونے یا بننے کی ساری حدیں پار کرنے اور ان کی خود غرضی اور چھوٹے وعدوں کا ذکر کرتے ہیں۔لیڈر بننے کے لیے بے حیائی، خودغرضی، جھوٹے وعدے، عرقِ ریاکاری، تخم کینہ، حرص وہوس، روغن موقع پرستی، طوطا چشمی، فتنہ پروری، بے وفائی، بہروپیاپن، کنبہ پروری، بے ایمانی، تنگ نظری، معجون کثافت وخباثت۔سچ کو سامنے لانا عہد وفا کا پورا نہ ہونا یا کرنا دیانت داری سے بچتے رہنا یا اس جیسے اوصاف کا اپنے اندر پیدا کرنا ہی لیڈر بنے کے نسخہ کو پوری طرح ظاہر کرتا ہے۔

زبیرالحسن غافل کی نظموں کے مطالعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ نئے موضوعات پر ان کی نظمیں بڑی عمدہ اور بے حد فکر انگیز ہے۔وہ حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھتے ہیں اور ماضی کی پیروی کرتے ہوئے اعتدال اور توازن کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ہیں۔وہ بڑی متانت اور سنجیدگی سے نئے نئے مؤضوعات پر نظمیں لکھتے ہیں۔ان کی نظموں میں جہاں ذاتی مسائل کا ذکر

ہوتا ہے وہیں اجتماعی مسائل پر بھی ان کی نظر گہری ہے۔ ربیر الحسن کا وصف یہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی ذاتی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے ندامت کے احساس سے نہیں گزرتے اور ساتھ ہی شرمندگی بھی محسوس نہیں کرتے۔ ان کی نظموں کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مشرقی تہذیب، گنگا جمنی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ اکبرالہ آبادی نے جو مغربی تہذیب کی دلدادہ شخصیات ہیں اور جو مغربی تہذیب پر کاری ضرب لگاتے ہیں اور مشرقی تہذیب کی عمدگی اور اس کی اچھائیوں کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس کا ذکر زبیرالحسن بڑی خوبصورتی سے پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔ ان کی نظمیں ’صاحب دیوان‘ ایک شاعر کی لاچاری اور بے بسی کا درد ہے خوشامد سے شاعر کا دیوان تو شائع ہو جاتا ہے لیکن وہ ردی کی قیمت رکھتا ہے ان کی نظموں میں تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی ماحول کی خرابیاں اور سرگرمیوں کو منظر عام پر لانے کی ایک غیر معمولی کوشش ملتی ہے۔

☆☆☆

تاثرات

رضا نقوی واہی ۔ اعلی طنز و مزاح فنکار کی درا کی ،قوت مشاہدہ اور قوت اظہار کا مرہون منت ہوتا ہے ۔طنز و مزاح نگار سر کے بل کھڑا ہو کر دوسروں کو ہنسانے کی کوشش کرنے کے بجائے صرف دیکھنے والی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھاتا ہے کہ وہ اردگرد کی ناہمواریوں کو دیکھ سکیں اور ان کے مضحک پہلوؤں پر ہنس سکیں ۔ یہ بے معنی ہنسی کا نام نہیں بلکہ یہ گہرے عرفان ذات یا معاشرے کے شعور سے پیدا ہوتا ہے ۔اسے برتنے کے لئے پہلے ایک حساس دل ہونا چاہیئے اور پھر قوت متخیلہ جو بہ ظاہر انمل بے جوڑ چیزوں میں ایک ربط و مناسبت تلاش کر کے اسے فنکارانہ طور پر قاری کے سامنے پیش کر دے ۔ طنز و مزاح زبان کی بلوغیت اور شائستگی کا پیمانہ ہوتا ہے ۔ جس طرح ایک مہذب مجلس میں کسی بے ادبی کی گنجائش نہیں ہوتی ،اسی طرح طنز و مزاح کی صنف بھی کسی ابتذال ، سطحی مزاج یا ادبی بیراہ روی کی متحمل نہیں ہوتی اور اس آبگینے کو پھوہڑ پن یا ابتذال کی ٹھیس سے محفوظ رکھنا بڑے جوکھم کا کام ہے ۔

اعلی اور معیاری ظریفانہ شاعری کے لئے صرف طنز و مزاح کی حسین آمیزش ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ اس میں فکری عنصر کا بھی ہونا ضروری ہے ۔ یہ شاعر کی فنی چابک دستی ،عمق فکر اور اسلوب بیان پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کہاں تک لوگوں میں تعمیری رجحان پیدا کرتا ہے اور کس حد تک غور وفکر کی دعوت دیتا ہے ۔

زبیر الحسن غافل کی فکر میں طنز و مزاح کے جراثیم بدرجہ اتم موجود ہیں اور اگر انہوں نے جی لگا کر ان کی پرورش کی تو بہت جلد اردو ادب میں اپنے لئے شاندار مقام بنالیں گے ۔ ان کی نظموں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ قہقہہ لگانے پر مجبور نہیں کرتے بلکہ نظمیں پڑھ کر ہونٹوں پر تبسم کی

کرنیں بکھر جاتی ہیں لیکن بعد میں چہرے پر دردمندی کے آثار بھی نمودار ہو جاتے ہیں۔جس طرح شوگر کوٹڈ دواؤں کی مٹھاس کے بعد تلخی کا احساس ہوتا ہے وہی احساس یہاں بھی پیدا ہوتا ہے۔ غافل کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت اطمینان سے اپنی بات شروع کرتے ہیں۔ان کے اسلوب میں کہیں بھی پھوہڑ پن نہیں ہے۔ایک سے ایک تلخ بات کہہ جاتے ہیں جس کا اثر کافی دیر پا ہوتا ہے۔لیڈروں پر شاعروں نے خوب خوب قافیہ پیاء کی ہے لیکن غافل نے جو'نسخۂ لیڈری' پیش کیا ہے اس کا جواب تو خال خال ہی ملے گا۔ غافل نے نظمیں بھی کہی ہیں ،غزلیں بھی ، متفرقات اور خیالات بھی خاصے کی چیزیں ہیں۔فیض کی مشہور نظم کی پیروڈی پڑھ کر آپ ہنسیں گے ضرور لیکن پھر اس کے اندر کا کرب آپ کو اپنی گرفت میں لے لے گا اور آپ کی مسکراہٹ غائب ہو جائے گی۔'ایک پہیلی'اور'اینٹی شوہر کانفرنس'میں بھی غافل نے اپنے فن کا اعتراف کروایا ہے۔

غرض کہ زبیر الحسن غافل کی شاعری دعوت فکر دیتی ہے اور مزاحیہ ظریفانہ شاعری کا جو فریم میں نے بنایا ہے اگر آپ غور کریں گے تو محسوس ہوگا کہ غافل کی شاعری اس فریم میں فٹ ہونے کے لائق ہے۔آج کے مزاحیہ شاعروں نے اس شاعری کو صرف مشاعروں کی ضرورت بنا لیا ہے۔اس لئے وہ ایسی چیزیں کہنے لگے ہیں جو مشاعرہ گاہ کے اندر قہقہہ بلند کر سکیں۔لیکن اس شاعری کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔

اسلم حسن زبیر الحسن مرحوم کے صاحبزادے وآئی آر ایس اسلم حسن نے کہا کہ 'میرے والد کو اللہ نے کئی خوبیوں کا مجموعہ بنایا تھا،انہوں نے اڈیشنل جج کے عہدے کا پورا احترام کرتے ہوئے ہمیشہ منصفانہ طرز عمل اختیار کی ، وہاں سے سبکدوش ہوئے تو اردو ادب کی خدمت میں لگ گئے اور طویل وقت تک ارریہ شہر کی ادبی محفلوں کو زینت بخشی'۔ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی جس میں قرب و جوار سے درجنوں کی تعداد میں غیر مسلم اشخاص نے شرکت کیا۔انہوں نے کہا کہ 'ان کا نام ادبی حلقوں میں بڑے ادب واحترام سے لیا جاتا تھا، وہ طنز و مزاح کے بڑے شاعر تھے،ان کا مجموعہ کلام 'اجنبی شہر' سنہ 2006 میں شائع ہوا تھا جو بے حد مقبول ہوا اور 1993 میں بہار اردو اکادمی کے مجلّہ 'زبان وادب' کے ایک شمارہ میں ان کی شاعری پر ایک خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا تھا۔

حقانی القاسمی۔ زبیرالحسن غافل بنیادی طور پر طنز ومزاح نگاراور ضمیر جعفری، دلاور فگار، سید محمد جعفری، شوق بہرائچی، شہباز امروہوی، ماچس لکھنوی، ٹی این راز، ساغر خیامی، رضا نقوی واہی اور ہلال سیوہاروی کے سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ہیں۔انکی طبیعت میں شگفتگی وشوخی بھی ہے ،مگر انہوں نے غزلیں بھی نہایت عمدہ لکھی ہیں۔ بالخصوص طرحی غزلیں ان کی تخلیقی توانائی اورقوت اظہار کا بین ثبوت ہیں۔ذراسی لفظی تحریف سے معنیاتی امکانات کے کتنے دروا کردیئے ہیں

انہوں نے پیروڈی بھی لکھی ہے جودراصل ایک معکوسی یا تعکیسی عمل ہے۔لسانی یا فکری شکست وریخت کے ذریعہ وجود میں آتی ہے۔ یہ ایک طرح سے لسانی یا فکری تحریف بھی ہےاور توسیع وتمدید بھی۔اودھ پنچ سے جس پیروڈی کی ابتدا یا آغاز ہوا، غافل تک پہنچتے پہنچتے اس نے بہت سی ہیئتیں اوراسالیب بدلی ہیں۔پیروڈی کی جوشکل غافل کے یہاں ملتی ہےاس کا مقصد محض نقالی،تفریح یا تفنن طبع نہیں اور نہ ہی اس کا مقصد مضحکہ خیزی ہے بلکہ یہ پیروڈی کسی پیش روشاعر کی معنیاتی اورفکریاتی اور اسلوبیاتی توسیع کی ایک کوشش ہے۔ غافل نے غالب، فیض، مجروح سلطانپوری اور دیگر شاعروں کی پیروڈیاں لکھی ہیں اوران کی غزلوں کے سنجیدہ اورفکرانگیز احساسات کوطنز ومزاح کے پیرائے میں پیش کر کے ایک ن ءطرح کی شگفتگی اورتازگی پیدا کردی ہے۔

فیض احمد فیض سے زبیرالحسن غافل کا ربط خاص ہے۔وہ ان سے اس قدر متاثر ہیں کہ انہوں نے ان کے شعری محاورے،انہی کی طرز فغاں،طرز بیاں کواپنایا ہے۔فیض کی طرح غافل کے یہاں بھی کلاسیکی نورونکہت ہےاوران کا شعری رویہ اورایقان بھی کلاسیکی شاعروں کی طرح ہے۔

آج کے ادب میں اپنے اپنے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے دیے لئے ہوئے لوگ خود کوسورج ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جب کہ حقیقی سورج کہیں روپوش ہوگیا ہے۔ برقی عہد میں سورج کی ساری روشنیوں کوان دبستانوں،شہروں،مرکزوں نے قید کرلیا ہے جہاں تاریکی زیادہ، روشنی کم کم ہے۔سوال یہ ہے کہ ان دیہی علاقوں کو آخر کیوں نظرانداز کیا جارہا ہے جوتخلیقی زرخیزی اورضوفشانی کے اعتبار سے شہروں سے زیادہ معنویت [و] اہمیت کے حامل ہیں۔ادب سے گم ہوتا گاؤں کیا تنقیدی استعماریت اورادبی آمریت کی کہانی نہیں کہہ رہا ہے؟

اررریہ بھی ادب کا ایک گمشدہ باب ہے اوراس باب سے زبیرالحسن غافل کا بھی تعلق ہے۔ حیرت ہے کہ تمام تر تخلیقی جمال وجلال کے باوجود انہیں وہ شہرت نہیں ملی جو ان کی تخلیق کا تقاضہ تھی۔ مگر کیا کیجئے کہ یہ سیلف ایڈورٹزمنٹ، ٹیلی ویژن اور گاسپ کالمس کا ایج ہے۔ کیا اس حصار کو توڑے بغیر ادب کی وسعت، آفاقیت، ہمہ گیریت کا اعلان یا اشتہار ممکن ہے؟

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن۔ ارریا اپنے جن شاعروں پر فخر کرسکتا ہے ان میں جناب زبیرالحسن غافل کا نام بہت نمایاں ہے۔ ان کا تخلص غافل تو ہے لیکن وہ سماج اور معاشرے سے پوری طرح باخبر ہیں۔ بزرگ شاعر نے زندگی کے بدلتے ہوئے تیوروں اور اداؤں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کی شاعری اپنے تیکھے انداز سے پہچانی جاتی ہے۔ طنز کرتے ہیں تو اس کی چبھن محسوس ہونے لگتی ہے۔ زندگی کی ویرانی کا احساس ہوتا ہے اور فرد کے المناک لمحوں کی شدت محسوس ہونے لگتی ہے تو طنز تیکھا اور گہرا ہو جاتا ہے۔ طنز تو اپنی جگہہ ہے ہی، ہیومر ان کے کلام کی روح ہے۔

ڈاکٹر محمد عثمان غنی۔ زبیرالحسن غافل کی شاعری میں نءاور پرانی حقیقتیں مل کر ایک نئی معنویت پیدا کرتی ہیں۔ انہوں نے جو کچھ بھی کہا اپنی تہذیبی روایات کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور ان میں توازن اور اعتدال، ٹھہراؤ اور متانت ہے۔ ان کی نظمیں بڑی فکر انگیز ہیں اور ان میں زندگی کا بڑا گہرا مشاہدہ ملتا ہے۔ ان نظموں میں کہیں ذاتی مسائل تو کہیں اجتماعی مسائل کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ان دونوں میں اعتدال اور مفاہمت کا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔

غافل صاحب کے فکر وفن کی انفرادیت ان کی غزلوں سے بھی مترشح ہے جن کا تعلق حسن وعشق کی واردات کے ساتھ ساتھ موجودہ معاشرتی صورت حال اور حیات وکائنات کے دائمی سوالات سے بھی ہے۔ انہوں نے جن صداقتوں کو نمایاں کیا ہے وہ ہمارے دل ودماغ میں بھی جاگزیں ہو جاتے ہیں۔

مشتاق احمد نوری نے ان کے انتقال پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ دیرینہ مشفق اور ہمدرد سے محروم ہوگئے ان کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ انہوں نے کہا کہ زبیر بھائی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج کے عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے طنز ومزاح کے اچھے شاعر تھے سنجیدہ

شاعری بھی کرتے تھے ان کا شعری مجموعہ 'اجنبی شہر' شائع ہو چکا تھا جس کا پیش لفظ جناب رضا نقوی واہی نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کا اجرا بہار اردو اکادمی کے ہال میں کیا گیا تھا۔

انہوں نے کہا کہ بہار اردو اکادمی پٹنہ کی جانب سے میرے سکریٹری شپ کے دور میں انہیں مجموعی خدمات کے لئے ایوارڈ دیا گیا تھا اور اکادمی آپ تک کے پروگرام کے تحت ارریہ میں ان کی پذیرائی بھی کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ بے حد منکسر المزاج تھے اور اپنے خلوص کا مظاہرہ بھی کرتے رہتے تھے۔ اکثر و بیشتر ارریہ میں انکی رہائش گاہ میں ادبی محفل منعقد کی جاتی تھی جس میں مجھے بھی شریک ہونے کا موقع ملا۔ کئی بار انہوں اس حقیر کے اعزاز میں بھی محفل سجائی۔ ان کے ابا ظہور الحسن کے ساتھ بھی مجھے مشاعرہ پڑھنے کا اتفاق ہوا اور ان کے صاحب زادے اسلم حسن بھی اچھے شاعر ہیں اور پٹنہ میں اکسائز کمشنر کے عہدے پر فائز ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کے انتقال سے ارریہ کے ایک زرریں ادبی دورہ کا خاتمہ ہو گیا۔

ڈاکٹر خالد مبشر اسسٹنٹ پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے کہا کہ ان کی شاعری طنز و مزاح کا اعلیٰ معیار قائم کرتی ہے اور ان کے کلام کو طنز و مزاح کے بڑے شاعروں سے موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ زبیر الحسن غافل کی مشہور نظم 'نسخۂ لیڈری' کے حوالے سے کہا کہ وہ شاندار نظم ہے اور خاص طور پر 'معجونِ خباثت' کی ترکیب زبردست ہے۔ انہوں نے اپنی ظریفانہ نظموں کے ذریعہ انہوں نے بدعنوان لیڈروں، افسروں اور دیگر سرکاری اہلکاروں کی خوب خوب خبر لی ہے حتیٰ کہ منصفوں اور شاعروں کو بھی نہیں بخشا ہے۔

احسان قاسمی مشہور افسانہ نگار اور شاعر نے کہا کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے لیکن ان کی سنجیدہ اور ظریفانہ شاعری کے علاوہ ان کی نثر میں بھی وہی جاذبیت اور بذلہ سنجی موجود تھی جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ ارریہ قیام کے دوران 2005 میں میں نے ارریہ سے جب ایک ادبی رسالہ نکالنے کا ارادہ کیا تو 'رابطہ' نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے وہ صدر منتخب کئے گئے۔ ان کے مشورے سے اس رسالے کا نام 'عکس' رکھا گیا۔ میرے افسانوی مجموعہ 'پیپر ویٹ' کی رسمِ رونمائی میں شرکت کی غرض سے باوجود صحت کی خرابی اور موسم کی سختی کے وہ پورنیہ تشریف لائے۔

عابد انور یواین آئی کے مشہور صحافی نے غافل صاحب سے اپنے دیرینہ تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سیمانچل اور خصوصا' ارریہ کی ادبی سرگرمیوں کے تعلق سے ان کی شخصیت ایک مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ہم نے وہ مرکز کھو دیا ہے۔ان کی شخصیت ایک ایسے شجر کی سی تھی جو اردو، ہندی اور دیگر زبانوں کے شعراء وادباء کو گھنی چھاؤں عطا کرتی تھی۔

عبدالمنان یوجنا کے مدیر نے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ زبیرالحسن غافل کی شاعری طنزیہ ومزاحیہ شاعری کا اعلی' نمونہ پیش کرتی ہے۔ان کا شمار رضا نقوی واہی اور دیگر چند ایسے شعراء کرام کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جنھوں نے ماضی قریب یا زمانہ حال میں طنزیہ ومزاحیہ شاعری کا اعلی معیار قائم کیا ہے۔ان کی شاعری میں نئے خیالات ومضامین، الفاظ کی بندش اور نئے تراکیب کا استعمال قاری کو متاثر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر نعمان قیصر نے کہا کہ وہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج جیسے مصروف ترین عہدے پر فائز رہتے ہوئے بھی ہمیشہ اردو زبان و ادب کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ ان کے والد ظہورالحسن حسن بھی مرحوم اچھے شاعر تھے۔ان کا مجموعہ کلام 'صحرا بھی سمندر بھی' ان کی وفات کے بعد زبیرالحسن غافل نے شائع کیا تھا۔ان کے والد کے چچیرے برادر مظہرالقیوم مظہر بھی معروف شاعر گزرے ہیں۔ان کا مجموعہ کلام 'خیمۂ گل' کافی سراہا جاچکا ہے۔

طارق ابن ثاقب شاعر وخطاط نے کہا کہ زبیرالحسن غافل ارریہ کی عوام کے لیے سرپرست کی حیثیت رکھتے تھے۔وہ ادیب ہونے کے ساتھ علماء کے سب سے بڑے قدردان تھے، دینی مزاج کے ساتھ وہ روزے اور نماز کے پابند تھے۔آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر انہوں نے جتنے بھی کارخیر کئے ہیں، وہ ہم سب کے لیے نمونہ عمل ہیں۔

ماسٹر ارشد حسن زبیرالحسن مرحوم کے صاحبزادے نے کہا کہ میرے والد کو اللہ نے کئی خوبیوں کا مجموعہ بنایا تھا، انہوں نے اڈیشنل جج کے عہدے کا پورا احترام کرتے ہوئے ہمیشہ منصفانہ طرز عمل اختیار کی، وہاں سے سبکدوش ہوئے تو اردو ادب کی خدمت میں لگ گئے اور لمبے وقت تک ارریہ

شہر کی ادبی سرپرستی کی۔

پروفیسر احسن عالم نے کہا کہ آپ کا نام ادبی حلقوں میں بڑے ادب واحترام سے لیا جاتا تھا، آپ طنز ومزاح کے بڑے شاعر تھے۔

پرویز عالم (صحافی) نے کہا کہ زبیر الحسن غافل صاحب سماجی طور پر بھی بہت فعال تھے، ارریہ کے اکثر مسائل پر فکرمندی کا اظہار کرتے اور اس کے کے لئے تگ ودو کرتے ہوئے نظر آتے، وہ علاقے میں آپسی بھائی چارہ کے ایک میل سمجھے جاتے تھے۔ ان کا مجموعہ کلام 'اجنبی شہر' سنہ 2006 میں شائع ہوا تھا جو کافی مقبول ہوا، سنہ 1993 میں بہار اردو اکادمی کے مجلّہ 'زبان وادب' کے ایک شمارہ میں ان کی شاعری پر ایک خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا تھا۔

عادل قاسمی مدرسہ اسلامیہ یتیم خانہ کے پرنسپل شاہد نے کہا کہ زبیر الحسن غافل کی زندگی سبق آموز رہی ہے، انہوں نے کبھی اپنے اصولوں سے سمجھوتہ نہیں کیا۔

مفتی حسین احمد ہمدم (صحافی اور شاعر) ایڈیٹر چشمۂ رحمت نے کہا کہ آپ نے ایک نسل کی تربیت کی، آج ارریہ ہی نہیں سیمانچل میں ان کے جانے سے ایک بڑا خلاء پیدا ہوگیا ہے۔ آپ کی ذات قومی یکجہتی کے لئے ایک سنگم کی حیثیت رکھتی تھی جہاں مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے اور قریب ہوتے تھے. آپ نے ارریہ سے کئی اردو رسالوں کی اجراء میں بھی اہم کردار کیا جیسے عکس, ابجد اور چشمۂ رحمت وغیرہ۔

Asif Anwar Alig- Zubairul Hassan Ghafil 's poetry has immense beauty and creates comic relief that, at times, instigates uncertaintly and frustration a brainchild of the communal disharmony and insecurity. Urdu literature is abundant with the conceptual integrity of literary ethics. Certainly Ghafil

is one of the advocators of this philosophy. His poetry is the tales of melancholy that hypnotize readers to come out of the moral crisis. The fact is we have forgotten the ascent of human relationship that has divided humanity into manmade partitions . Isn't it developing a gap between different civilizations ?
Are we capable to counter them ? ' Ghafil ' has a genuine reply and defincs them with clarity in his collection " AJNABI SHAHAR " .

زبیرالحسن غافل کی وفات پران کی تعزیت میں شعراء کرام نے منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیے کچھی منتخب اشعار حسب ذیل ہیں:

خرچ ادب سے اک مہ کامل چلا گیا
اس انجمن کو چھوڑ کے غافل چلا گیا

مسیح الدین شاذی

دم بخود ہے بزم ارباب وفا تیرے بغیر
یہ چمن بے کیف ہے رنگیں نوا تیرے بغیر

دین رضا اختر

الگ سا سمجھتا ہوں انسان تجھ کو
خیالوں کی دنیا کا سلطان تجھ کو

فرمان علی فرمان

تاجدارِ سخنداں زبیر الحسن
صاحب حرف ومیزاں زبیر الحسن
میں نے دیکھا ہے اک فرد میں انجمن
نابغہ تھا جوانساں زبیر الحسن
اجنبی شہر سے باغِ رضواں چلا
الوداع شہر کی جاں زبیر الحسن

شمس الہدیٰ معصوم

زبیر الحسن عظمتوں کے نشاں
بڑے نیک دل تھے بہت مہرباں
شرافت کی وہ ایک تصویر تھے
خلوص ومروت کی تفسیر تھے
بہت اعلیٰ درجے کے فنکار تھے
ادب قافلے کے وہ سالار تھے

مفتی حسین احمد ہمدم

نیک دل صاحب کردار تھے غافل صاحب
اپنے منصب کے وفادار تھے غافل صاحب
شعر گوئی کی ہر اک صنف میں کامل وہ تھے
آپ کہئے کہ سخن زار تھے غافل صاحب

طارق ابن ثاقب

منتخب کلام

اتنی ہمت مجھے خدا دے دے
غم اٹھانے کا حوصلہ دے دے
کھو نہ جاؤں میں ان اندھیروں میں
روشنی دے نہ دے صدا دے دے
میرے جذبات چھین لے مجھ سے
میرے احساس کو فنا دے دے
میں یہ سمجھوں گا مل گیا سب کچھ
دل کوئی درد آشنا دے دے

نعت

نہ مہر و ماہ کی خاطر نہ کہکشاں کے لئے
مچل رہا ہے یہ دل خاک آستاں کے لئے
یہ کائنات دھواں کے سوا نہ کچھ ہوتی
سجی یہ بزم فقط شاہ دو جہاں کے لئے
ہمیشہ عشق نبی دل میں جاگزیں رکھئے
اثاثہ بس ہے یہی عمر جاوداں کے لئے
بچھی تھی نور کی چادر تمام راہوں میں
چلے حضور مکاں سے جو لامکاں کے لئے
آپ کے ہی کرم کا ہے آسرا آقا
کٹھن ہے وقت بہت جان ناتواں کے لئے
جبیں ملی ہے کہ سجدے کروں خدا کو میں
زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے
ہوتا بے کیف بہت قصۂ آدم غافل
حضور آتے نہ گر زیب داستاں کے لئے

نسخۂ لیڈری

ایک قرص بے حیائی صبح اٹھ کے لیجئے
چار چمچے آب خود غرضی ملا کر پیجئے
ناشتے میں ایک چمچہ جھوٹے وعدوں کا لبوب
ساتھ اس کے دے مزہ عرق ریا کاری بھی خوب
تخم کینہ پاؤ ماشہ لیجئے پھر تول کر
خوب اس کو بھونئے حرص وہوس کی آگ پر
روغن موقع پرستی میں اسے حل کیجئے
چند دانے طوطا چشمی کے بھی اس میں دیجئے
جڑ جو فتنے کی ملے تو اک ذرا سا ڈال دیں
جھوٹ کے باریک کپڑے سے اسے پھر چھان لیں
ڈالئے دو چار قطرے بے وفائی کے ضرور
شربت فتنہ ہو کچھ تھوڑا سا ہو روح فتور
ان سبھوں کو لے کے پھر اک ساغر بہروپ میں
چھوڑ دیں کچھ دیر کنبہ پروری کی دھوپ میں
بے ایمانی کی ہوا سے کیجئے ٹھنڈا اسے
تنگ نظری کی کھرل میں خوب اس کو پیسئے
نام اس کا آپ معجون خباثت دیجئے
کم سے کم دس بار دن میں روز کھایا کیجئے

ویسے یہ نایاب نسخہ ہے بہت ہی لاجواب
ساتھ ہی ان چیزوں سے پرہیز لازم ہے جناب
پاس آنے دیجئے سچ کو نہ ہرگز بھول کر
ورنہ پھر جاتا رہے گا سارے نسخے کا اثر
گر شرافت کی طرف مائل طبیعت ہو گئی
یوں سمجھئے ساری محنت ہی اکارت ہو گئی
زندگی میں بھول سے پورا نہ ہو عہد وفا
اور دیانت داری سے بھی بچ کے رہنا ہے سدا
چند ہفتوں تک اگر اس پر عمل کر لیجئے
نیتا بننے کی ضمانت ہم سے آ کر لیجئے

اینٹی شوہر کانفرنس

تھا بڑے زوروں سے چرچا جس کا سارے شہر میں
ہوگیا آخر وہ جلسہ کل ہمارے شہر میں
بیویوں کے بیچ آخر اتحاد ہو ہی گیا
اینٹی شوہر کانفرنس کا انعقاد ہو ہی گیا
شام سے بکھری ہوئی تھی کہکشاں ہر راہ میں
اور تھا رنگ ونور کا سیلاب جلسہ گاہ میں
ہر طرف سے ہو رہی تھیں بیویاں آ کر جمع
ہاں! مگر تھا شوہروں کا داخلہ بالکل منع
ہر طرف سے لعنتیں تھیں شوہر نادار پر
مختلف نعروں سے پر تھے پوسٹر دیوار پر
شوہروں کے ظلم کی تھیں داستانیں بے شمار
جا بجا چپکے ہوئے تھے اس طرح کے اشتہار
اب کسی قیمت پہ ان کی دال گل سکتی نہیں
شوہروں کی دھاندلی اب اور چل سکتی نہیں
حضرت شوہر کے اب نخرے اٹھا سکتی نہیں
خوب دھوکا کھا چکی ہیں اور کھا سکتی نہیں
آج تک ڈھائے گئے ہم پر مظالم بے حساب
پتھروں سے اب ہمیں دینا ہے اینٹوں کا جواب
ہاتھ میں ڈنڈے سنبھالو چھوڑ دو کفگیر کو
ملک بھر کی بیویوں اب ایک ہو اب ایک ہو!!

ترک شاعری

جب سے اردو بھی زبان اک ہوگ ٔسرکار کی
صوبہ بھر کے شاعروں نے ترک کردی شاعری
جوں ہی اردو معاش کا ذریعہ نظر آنے لگی
شاعری سے یک بہ یک ان کو الرجی ہوگئی
توڑ کر سب رشتے ناطے سوز اور ساز سے
خدمت اردو کو نکلے اک نئے انداز سے
ٹائپنگ اردو کی سیکھی رٹ گئے شبداولی
تھوڑی محنت سے ہی لکھنا آگ ٔدیوناگری
کچھ دنوں میں ہوگئی قسمت کی دیوی مہرباں
بن گئے سرکار کے نوکر یہ سب اہل زباں
دفتروں میں ہر قسم کی فائلیں چرنے لگے
عرضیوں کا ترجمہ ہندی میں یہ کرنے لگے
ناقدوں اور ناشروں کا ڈر نہ کوئی جب رہا
یک بہ یک انگڑائی لے کر جو ہر خفتہ جگا
پھر تو لفظوں کا نیا اک دفتر معانی کھلا
سرکی و پدا ہوگیا شوریدہ سر کا ترجمہ
سادہ تختی کی جگہ لی لفظ سادہ لوحی
دوسرے نے آب جو کو لکھا پانی کی ندی
حسن ظن کو کہہ گئے ناری کی سندرتا اگر

فن ظرافت کولکھا برتن بنانے کا ہنر
ایک صاحب نے اگر کوزہ میں دریا بھر دیا
دوسرے نے موج میں ساغر کو ساگر کر دیا
دیکھنا تم ایک دن جادو جگا تا ان کا فن
میت اردو کو پہنائے گا ہندی کا کفن !!

یوم اردو

شیخ جی کل یک بہ یک مجھ سے یہ فرمانے لگے
یوم اردو کس لئے آخر مناتے ہیں جناب
یہ زباں تو اک طرح سے اب فقط مرحوم ہے
جانے کس گوشہ میں جا کر چھپ گ ءخانہ خراب
کالج و اسکول میں اک شجر ممنوعہ ہے یہ
اور اک ناپاک سی شئے بہر تعلیمی نصاب
اس کے جو عشاق تھے انگلش کے گرویدہ ہوئے
اس کا نہ قاری ہے باقی نہ ہی اک اچھی کتاب
خامشی سے نام پر بس فاتحہ پڑھ دیجئے
اس طرح کی محفلوں سے کیجئے اب اجتناب
بات گرچہ تلخ تھی لیکن بہت معقول تھی
اس لئے بروقت سوجھا نہ مجھے کوئی جواب
پھر ذرا کچھ سوچ کر یوں باادب میں نے کہا
اردوئے مرحوم کی سمجھیں اسے برسی جناب
فاتحہ کے واسطے ہی آئے ہیں شاعر یہاں
روح اردو کو اسی صورت ملے شاید ثواب

روزگار

رائٹ کا کاروبار بھی کیا روزگار ہے
گھر میں مرے اسی کی وجہ سے بہار ہے
ٹی وی، فرج کے ساتھ ہی اک وی سی آر ہے
چاروں جوان بیٹوں کے پاس اپنی کار ہے
بیوی کا جسم سونے کے زیور سے بھر گیا
بے سمت تھا جو بچوں کا فیوچر سنور گیا
دیکھو نیا مکان بھی کیا عالی شان ہے
جس کو نواز دے یہ اسی رب کی شان ہے
فکر نمک ہے اب نہ مجھے فکر تیل ہے
دولت کی میرے گھر میں تو اب ریل پیل ہے
بیڑی کے واسطے بھی ترستا تھا کل تلک
آج آ گیا ہے پاؤں کے نیچے مرے فلک
مارا گیا فساد میں جب کوئی آدمی
گھر میں ہمارے کوئی نء چیز آ گئی
جب بھی کسی نصیب کے مارے کا گھر جلا
دیوار و در پہ میرے نیا رنگ چڑھ گیا
آتا ہوں جب بھی گھر میں کسی کا اجاڑ کر
دولت بھی ساتھ آتی ہے چھپر کو پھاڑ کر
بچے بھی میرا ہاتھ بٹانے لگے ہیں اب
گھر دوسروں کا وہ بھی جلانے لگے ہیں اب
ماہر وہ ہو گئے ہیں بہت لوٹ مار میں
چاروں پسر ہیں میرے اسی روزگار میں

منصف صاحب

خول میں اپنے گھونگھے ہی نہیں رہتے ہیں
اک اور بھی مخلوق ہے منصف جسے کہتے ہیں
ڈال کر چہرے پہ اپنے خود فریبی کی نقاب
اپنی دنیا میں ہی رہتے ہیں مگن عزت مآب
اپنی آنکھوں پہ چڑھا کر عینک وہم وقیاس
چور کی داڑھی میں یہ کرتے ہیں تنکے کی تلاش
کی ہے قدرت نے ودیعت فطرت عورت انہیں
دوسروں کی عیب جوئی سے نہیں فرصت انھیں
جس گھڑی اجلاس کی کرسی پہ جم جاتے ہیں یہ
انڈا سیتی ہوئی مرغی نظر آتے ہیں یہ
دردزہ میں مبتلا ہو جیسے کوئی حاملہ
حال ان کا ہے وہی لکھنے سے پہلے فیصلہ
چونک اٹھتے ہیں کسی کو گھر میں آیا دیکھ کر
جس طرح گھوڑا بدک جاتا ہے سایہ دیکھ کر

کیا بتاؤں حال اپنا جب سے شوہر ہوگیا
نصف بہتر وہ ہوئیں میں بد سے بدتر ہوگیا

اپنا دامن جھاڑ کر تو ساس خوش دامن ہوئیں
بھوت جو چمٹا تھا ان سے اب مرے سر ہو گیا

مہربانی ان کے ابا جان کی اتنی بڑھی
بینک بیلینس گھٹ کے زیرو کے برابر ہوگیا

گیٹ پر جنت کے یوں تو سخت چیکنگ تھی مگر
شیخ جی کا داخلہ اسٹاف کہہ کر ہو گیا

قاعدے کی رو سے تو تانیث ہونا چاہیئے
پھر بھلا یہ مولوی کیونکر مذکر ہو گیا

دوست بھی سائے سے میرے اب ہیں کترانے لگے
جانے کس کتے نے کاٹا تھا کہ شاعر ہو گیا

پیروڈی

میں نے سمجھا تھا جنوں عشق کا گھٹ جائے گا
تو بھی اکتا کے مری راہ سے ہٹ جائے گی
تھا نہ معلوم کہ وہ دن بھی کبھی آئے گا
بھوت کی طرح تو مجھ سے چمٹ جائے گی
اب میں بچوں کو کھلاؤں کہ تجھے پیار کروں
تیری زلفوں کو سنواروں کہ میں بازار کروں
کیا دیا تو نے مجھے شادی کی جھنجھٹ کے سوا
حاصل عشق ہے کیا روز کی کھٹ پٹ کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

اب ترے جسم سے لہسن کی مہک آتی ہے
نقش ماضی بھی نظر آتے ہیں دھندلائے ہوئے
جا بجا بکھرے ہوئے کوچہ و بازار میں حسن
عطر میں ڈوبے ہوئے سینٹ میں نہلائے ہوئے
جسم پھیلے ہوئے اخبار کے پنوں کی طرح
زلف بکھری ہوئی کولتار کی سڑکوں کی طرح
اٹھ ہی جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجے
گرچہ غالب ہے تری ڈانٹ کا ڈر کیا کیجے
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

اے مری جان تمنا اے مری جان بہار
جب سے میکہ تیرا میرے لئے سسرال ہوا
کیا عجب بات ہوئی کیسی یہ کایا پلٹی
جیب پھولی تیرے ابا کی میں کنگال ہوا
فکر راشن کا لگا رہتا ہے تنہائی میں
کس طرح پیار کی باتیں کروں مہنگائی میں
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

دغا چاہتا ہوں ریا چاہتا ہوں
میں ووٹوں کا اپنے صلہ چاہتا ہوں
میں لیڈر سے پاس وفا چاہتا ہوں
حماقت کی حد ہے یہ کیا چاہتا ہوں
چرن آپ کے آچرن سے ہیں اچھے
چرن آپ کے چومنا چاہتا ہوں
بن کے بیوی میری اور کنگال کردے
'تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں'
بیاض اپنی کھولو غزل پھر پڑھو
ذرا دیر میں اونگھنا چاہتا ہوں

ایک گھر اللہ کا

مدتوں کے بعد کچھ لوگوں کو آیا یہ خیال
اب خدا کے واسطے بھی گھر بنے اک بے مثال
اک کمیٹی بن گ ءسائٹ سلیکشن کے لئے
لیڈروں کو مل گیا نسخہ الیکشن کے لئے
ایک نیتا جی نے تو بھاشن میں اپنے یوں کہا
قوم کے آگے نہیں اس سے بڑا کچھ مسئلہ
شرم سے اس بات پر جھکتا تمہارا سر نہیں
مالک کون و مکاں کو ایک اچھا گھر نہیں
آج تک تم نے جو مانگا وہ تمہیں دیتا رہا
مانگتا ہے آج اپنے واسطے اک گھر خدا
ہم اسے دیں گے مکاں جو ہو قسم لے لیجئے
ہے ضروری اس کی خاطر ووٹ ہم کو دیجئے
تھے کمیٹی کے جو ممبر وہ بھی نکلے ٹور پر
ایک بستی میں انہیں موزوں جگہ آئی نظر
پھر کمیٹی لوٹ آ ءلے کے اک تفصیلی نوٹ
بھیج دی نیتا کو اس نے اپنی کچھ ایسی رپورٹ
وہ مقام پر فضا بستی سے ہے کچھ دور پر
ایک بوسیدہ مکاں کا ہے وہاں ڈھانچہ مگر
یوں بہ ظاہر وہ مکاں ویران ہے بے کار ہے
کوئی اللہ اور لیکن اس کا دعویدار ہے
لیکن اس دعوی سے ہم لوگوں کو کوئی ڈر نہیں

دوسرا اللہ کوئی خاص طاقت ور نہیں
ہم بھی اب اپنے خدا کا اس پہ دعویٰ ٹھونک دیں
بات یہ لیکن کسی صورت نہ جائے کورٹ میں
یا تو اپنے زور سے قبضہ جمانا ہے ہمیں
یا کسی ترکیب سے ڈھانچہ گرانا ہے ہمیں
مشورہ معقول تھا نیتا کے دل کو بھا گیا
اک اشارہ ان کا آخر اس مکاں کو ڈھا گیا
لوگ اب بنوا رہے ہیں اس جگہ قصر عظیم
لامکاں میں ہے مگر حیران وہ رب کریم
کہہ رہا ہے کوئی مجھ کو آ کے سمجھائے ذرا
بن رہا کس کا گھر کس کا مکاں توڑا گیا؟

پلیڈر

شب میں جو پلیڈر کو کہیں ڈھونڈنا چاہیں
بیوی کو وہ بڑ اپنی سنانے میں ملے گا
اور صبح کو ٹمٹم کے یا اسٹینڈ پہ بس کے
دیہاتی موکل کو پھنسانے میں ملے گا
اور دن کو کچہری میں وہ اک کرسی پہ بیٹھا
یا اونگھتا یا گپیں لڑانے میں ملے گا
اور شام کو پھر قرض کسی دوست سے لے کر
دلالوں کو وہ چائے پلانے میں ملے گا

لیڈر

لیڈر کو اگر آپ کہیں ڈھونڈ نا چاہیں
وہ رات کو دعوت کہیں کھانے میں ملیگا
اور صبح کو صندوق نما توند کو بھر کر
بیٹھا ہوا وہ چمچوں کے نرغے میں ملے گا
اور دن کو وہ لکھوا کے کوئی موقع کا بھاشن
رٹتا ہوا تنہا کسی کمرے میں ملے گا
اور پھر غم جنتا کو غلط کرنے کی خاطر
وہ شام کو اسکاچ ہی پینے میں ملے گا

شاعر

شاعر کو اگر شب میں کہیں ڈھونڈ نا چاہیں
پیتا ہوا ٹھرا کسی ٹھیکے میں ملے گا
اور صبح کو لے کر وہ پرانا کوئی پرچہ
اچھی سی غزل اس سے چرانے میں ملیگا
پھر ڈھونڈ کے اک ایک سخن فہم کو دن میں
وہ ''تازہ کلام'' اپنا سنانے میں ملے گا
اور شام کو بس چائے کی اک پیالی کی خاطر
ہمسایہ کو مکھن وہ لگانے میں ملے گا۔

قطعات

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی تنکا کہیں رہنے نہ پائے اس لئے
شہر میں جھاڑو پھرا، داڑھی پہ ریزر پھر گیا

کل بھری محفل میں یہ اک دل جلا کہنے لگا
آ بتاؤں تیل کیوں مہنگا ہے ہندوستان میں
کچھ تو چمچے لے گئے ہیں ان کی مالش کے لئے
اور باقی ڈال کر بیٹھے ہیں نیتا کان میں

شام آزادی جو پیغام ڈنر لاتی ہے
تو ندنیتاؤں کی کچھ اور ابھر آتی ہے
یہ الگ بات ہے اس جشن میں غافل صاحب
بھوکی جنتا کی لنگوٹی بھی اتر جاتی ہے۔

ماہیے

اب اور نہ تڑپاؤ
آنکھوں کے درپن سے
اس دل میں اتر آؤ

باعث یہ اداسی کا
فکر ہے فردا کی
یا کرب ہے ماضی کا

جب برف پگھلتی ہے
آگ چناروں کے
سینے سے نکلتی ہے

کیا دل کو بچانا ہے
شیشے کے کھلونے کو
بس ٹوٹ ہی جانا ہے

مسجد کی اذانوں میں
وحدت کا نغمہ
مرلی کی بھی تانوں میں

غزلیں

بے نام آدمی جو سر شام مر گیا
سورج کے شہر میں وہ اندھیرا ہی گیا
انسان جب حدودِ مکاں سے گزر گیا
حیران ہو کے وقت جہاں تھا ٹھہر گیا
کچلا ہے اس کو وقت کے پہیوں نے اس طرح
آئینہ دیکھتے ہی اچانک وہ ڈر گیا
دھندلا ہے گرچہ آج مرا آئینہ اے دوست
لیکن اسی سے ایک زمانہ سنور گیا
کل تک جو چل رہا تھا لئے ہاتھ میں چراغ
جانے کہاں وہ آج مرا ہمسفر گیا
غافل کو ڈھونڈیے بھی تو پائیں گے اب کہاں
دیوانہ آدمی تھا نہ جانے کدھر گیا

\~\~\~\~\~\~\~\~\~\~\~\~

سسکیوں کی آہٹیں باچشم تر لے جائے گا
جانے والا درد کی سوغات گھر لے جائے گا
پھر پکی فصلوں کی صورت کاٹ کر لے جائے گا
جانے یہ موسم جنوں کا کتنے سر لے جائے گا
آسماں چھونے کی حسرت دل میں ہی رہ جائے گی
پھر کوئی صیاد میرے بال و پر لے جائے گا
کب تلک کھلتے رہیں گے دل میں زخموں کے گلاب
اور کتنی دور خوشبو کا سفر لے جائے گا
قاتلوں کے شہر میں جائے گا وہ اس شان سے
خود ہی نیزے پہ سجا کے اپنا سر لے جائے گا
دیکھنا غافل فاصلوں کا یہ مزاج
لذت آوارگی ذوق سفر لے جائے گا

TAREEKH E ADAB E URDU, *Quarterly*

EDITOR: DR. MD. YAHYA SABA

July to September, 2021 Vol. 03, Issue: 03 ISSN 2582-1229 E-ISSN 2582-9157

UGC Care listed

International Peer Reviewed Refreed Journal